ماہنامہ

نقوش راہ

March-2020

نقوش راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

سپریم پاور اک اللہ

لا الہ الا اللہ

دہلی میں گجرات کا ‘ری پلے’

ہند کو مسلمانوں نے کیا دیا؟
طالبان ۔ امریکہ معاہدہ کے اہم نکات
جنگی حالات اور اسوہ برائے خواتین
ہندو راشٹر کا مشن (گولوالکر کی نظر میں)
مسلمانانِ ہند ۔۔۔ مولانا مودودی کی پیشین گوئی

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قَالَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ " أَيُّهَا النَّاسُ، لاَ تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلاَلِ السُّيُوفِ، ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ ".

(صحیح البخاری: کتاب الجهاد و السیر، عن عبد اللہ ابن ابی اوفی)

آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! دشمن کے ساتھ جنگ کی خواہش اور تمنا دل میں نہ رکھا کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو، البتہ جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہو ہی جائے تو پھر صبر و استقامت کا ثبوت دو۔ یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یوں دعا کی: 'اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، بادل بھیجنے والے، احزاب (دشمن کے دستوں) کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔'

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

IYF

مارچ/2020، رجب المرجب/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ | جلد:03 شمارہ:2 | اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

فہرست مضامین

اداریہ	ڈاکٹر محمد وجیہ القمر	04
درسِ قرآن: قصہ بنی اسرائیل	ابن مظفر	05
تحریکی فہم و شعور سے انحراف	مصطفیٰ مشہورؒ	07
ہند کو مسلمانوں کو کیا دیا؟؟	انور ادیب	12
جمہوری نظام اور علامہ اقبالؒ	مولانا عرشی نعمانی	16
ہندو راشٹر کا مشن (گولوالکر کی نظر میں)	بلال حسن	19
مسلمانانِ ہند۔۔۔مولانا مودودی کی پیشین گوئی	ڈاکٹر محمد مبشر	22
دہلی میں گجرات کا ری پلے	م۔افضل	26
طالبان۔امریکہ معاہدہ کے اہم نکات	ترجمہ: وسیم عباسی	29
گوشۂ خواتین: جنگی حالات اور اسوہ برائے خواتین	مائل خیرآبادی	30
گوشۂ اطفال: منافق	ابوالفیض اعظمی	32
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	33
اقبالیات: خضر راہ	ابن سلطان	38
کورونا وائرس چمگادڑ خوروں کی ایجاد	رشید سمیع سلفی	39
امریکہ کے ساتھ طالبان کا معاہدہ۔۔۔بڑی کامیابی	انٹرویو: ہارون رشید	41

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

❁ منہاج الاسلام فلاحی ❁ محمد جمیل

❁ معاذ احمد جاوید ❁ سید ریحان

❁ اُسامہ عظیم فلاحی ❁ عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زر تعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name : Nukush E Rah
A/c No.: 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press,
Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

پورا بھارت سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ظالم حکم رانوں کے ذریعہ بھارت کا 'کشمیری کرن' کر دیا گیا ہے۔ دہلی میں گجرات کا 'ری پلے' کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔۔۔لیکن ان تمام حالات میں بہت ہی خوش آئند پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی الحمدللہ اپنے آباو اجداد کے نقش قدم پہ چل کر جہاں ان تمام اقسام کے مظالم کا بھرپور مقابلہ کرنے کی کوشش کی وہاں ظالم حکم راں یا دنگائی کام یاب نہیں ہو پائے۔افسوس ناک یا انتہائی خطرناک پہلو یہ ہے کہ اچھے خاصے مسلم عوام دیش بھکتی، سیکولرزم اور لبرلزم کے شکار ہو گئے ہیں اور دن بہ دن اسی گڑھے کی طرف اوندھے منہ گرے جارہے ہیں، جس کی طرف سنگھی ٹولہ انہیں ایک صدی سے ڈھکیل کر لانا چاہ رہا ہے۔ہم مسلمان بھی بڑے عجیب ہیں؛ سنگھ بولے 'ہندو بن جاؤ' تو ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں لیکن کوئی غیر سنگھی، ملحد، کمیونسٹ یا مذہب دشمن ہم سے 'شرکیہ اقوال و اعمال' کا ارتکاب کرالے تو ہمارے ماتھے پہ ہلکی سی بھی شکن نہیں پڑتی بلکہ ہم تو آگے بڑھ کر اپنی تہذیب و ثقافت کی مقدس چادر کو پھاڑ کر ان کی گود میں بیٹھ جاتے ہیں اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ 'یہ لڑائی صرف مسلمانوں کی نہیں ہے'۔ہمارا یہ دوہرا رویّہ ثابت کرتا ہے کہ ہم واقعی سادہ لوح ہیں؛ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

اگر ہم نے قرآن و حدیث کا مطالعہ نہیں کیا ہے یا اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ نہیں پڑھی ہے تو صرف نائن الیون کے پس منظر و پیش منظر کو ہی پڑھ لیتے اور 'قیام امن کے شیدا' افغان طالبان کے پختہ اسلامی نظریہ، اس پہ عمل، اس کی دعوت اور اس راہ میں آنے والی آزمائش میں ان کے صبر و استقامت پر طائرانہ نظر ڈال لیتے، پھر یقیناً ہم نہ زعفرانی رنگ سے پریشان ہوتے اور نہ ہی سرخ رنگ کی طرف آنکھ موند کر بھاگتے۔

آنے والے تین چار سال بھارت کے مسلمانوں بالخصوص طلبہ و نوجوانوں کے لیے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ان ایام میں ہمارا جیسا رویہ ہوگا، اسی کے مطابق ہمارا مستقبل طے ہوگا۔ہم اگر درج ذیل نکات پر خصوصی توجہ دیں تو یہ ہمارے مستقبل قریب و بعید کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا، ان شاءاللہ۔

1۔ فوری اور اہم کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ این پی آر کے بائیکاٹ کے لیے ہر محلہ یا گاؤں میں پڑھے لکھے اور سماج سیوک افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو سی اے اے، این پی آر و این آر سی کے تئیں ایک مہم کے طور پر گھر گھر جا کر بیداری پیدا کرے اور این پی آر و این آر سی کے لیے آنے والے افسر کو واپس کر سکے نیز اس سے متعلق دیگر مسائل کو بھی حل کر سکے۔

2۔سی اے اے کے نفاذ کے بعد یہ ملک 'ہندو راشٹر' بلکہ 'برہمن شاہی راشٹر' بن چکا ہے جہاں غیر برہمنوں کے حقوق و اختیارات رفتہ رفتہ چھینے جاتے رہیں گے اور مختلف نت نئے قوانین لائے جاتے رہیں گے۔گویا یہ لڑائی بہت لمبی ہے۔اب بھی اگر ہم وقتی اور جذباتی ردعمل کے ذریعہ اپنے سنگین مسائل کا حل چاہتے ہیں تو یہ ناممکن ہے۔لہذا وقتی مسائل اور ان کے حل میں ہی نہ الجھے رہیں بلکہ طویل المیعاد منصوبہ کے تحت ہم اسلامی نہج پہ اپنی اور اپنی نسل نو (بہ شمول خاندان و سماج) کی منظم تربیت کا انتظام کریں اور غیر مسلموں کو بھی اسلام کی طرف بلائیں۔

3۔فساد اور لنچنگ کے حالات کہیں بھی پیدا ہو سکتے ہیں یا کیے جا سکتے ہیں، لہذا اس کے مقابلہ کے لیے ذہنی و جسمانی لحاظ سے تیار رہیں تا کہ ہم بہ آسانی دشمن کا لقمہ نہ بن سکیں۔ہمیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ اہل ایمان 'ایمان کے بغیر' مقابلہ نہیں جیت سکتے لہذا ہم اللہ سے اپنا تعلق ہر حال میں مضبوط کریں۔جب ہمارا یقین ہے کہ مسلمان کی اصل زندگی موت کے بعد ہی شروع ہوتی ہے تو ہم اپنے جیسے انسانوں سے خوف کیوں کھاتے ہیں یا اپنی جان، مال اور آبرو پر دشمن کے حملے کو کیوں کر بہ آسانی برداشت کرتے ہیں؟ ظالم ہماری جان سے زیادہ اور کچھ ہم سے لے ہی نہیں سکتا تو پھر ہم کیوں نہ مقابلہ کر کے غازیوں یا شہیدوں میں شامل ہو جائیں۔

ان تین نکات کے سلسلے میں ہم جتنے زیادہ افراد بالخصوص نوجوانوں کو تیار کریں گے، آنے والی لڑائی کا اتنا ہی بھرپور اور کام یاب مقابلہ کرسکیں گے ورنہ

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

قصۂ بنی اسرائیل

درسِ قرآن

ابن مظفر فلاحی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (63) ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ج فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ (64) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ
فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (65) فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ (66) وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ
لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ط قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ط قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ (67) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ط فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ (68) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ لا فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ (69) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ لا
إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ (70) قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ج
مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ط قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ (71) وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ
مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (72) فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ط كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ لا وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (73) ثُمَّ قَسَتْ
قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ط وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ط وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ
مِنْهُ الْمَاءُ ط وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (74)

ترجمہ آیت ۶۳ تا ۷۴:

یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا؛ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انہیں یاد رکھنا۔ اسی ذریعے سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم تقوی کی روش پر چل سکو گے۔

مگر اس کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ اس پر بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت نے تمہارا ساتھ نہ چھوڑا ورنہ تم کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

پھر تمہیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے انہیں کہہ دیا کہ بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار پھٹکار پڑے۔

اس طرح ہم نے ان کے انجام کو اس زمانے کے لوگوں اور بعد کی آنے والی نسلوں کے لیے عبرت اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا کر چھوڑا۔

پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسیٰ ؑ نے کہا: میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں۔ بولے اچھا، اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے۔ موسیٰ ؑ نے کہا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ اوسط عمر کی ہو۔ لہذا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرو۔ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ دو کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ ؑ نے کہا وہ فرماتا ہے زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے، جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے۔ پھر بولے اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کیسی گائے مطلوب ہے، ہمیں اس کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے۔ موسیٰ ؑ نے جواب دیا: اللہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، نہ زمین جوتتی ہے نہ پانی کھینچتی ہے، صحیح سالم اور بے داغ ہو۔ اس پر وہ پکار اٹھے کہ ہاں، اب تم نے ٹھیک پتہ بتایا ہے۔ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ تم نے ایک شخص کی جان لی تھی، پھر اس کے بارے میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام تھوپنے لگے تھے اور اللہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے کھول کر رکھ دے گا۔ اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو، اس طرح اللہ مردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ تم سمجھو۔ مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے

بھی بڑھے ہوئے، کیوں کہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں،کوئی پھٹتا ہے اوراس میں سے پانی نکل آتا ہے،اورکوئی خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔اللہ تمہارے کرتوتوں سے بےخبر نہیں ہے۔

ربط: گذشتہ آیات کی طرح ان آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کے کچھ واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اُن کے نفس کی سرکشی کو مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔

تشریح آیت ۶۳۔۶۴

☆ بنی اسرائیل کو ان کا ایک واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ ایک موقع پر جب کہ تم نے نافرمانی کی حد کر دی تھی تو ہم نے طور کو تم پر اُٹھا کر تم سے یہ حلف لیا کہ اس کتاب (توریت) کو مضبوطی سے تھام لو۔ زندگی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے میں اس کے احکام کے ساتھ مضبوطی سے چمٹے رہنا۔ آسائش و آرام کے وقت بھی فقر و تنگ دستی کے وقت بھی۔ عروج کے زمانے میں بھی، زوال کے ادوار میں بھی۔ ہر وقت خیال رکھنا کہ اس کتاب کا کوئی حکم تمہارے ہاتھ سے نکلا تو نہیں جا رہا ہے۔تب ہی تم تقویٰ کی زندگی پر گامزن رہ سکو گے ورنہ ہلاکت سے دو چار ہو جاؤ گے۔

☆ تم نے اس کا عہد لیا تھا لیکن پھر کچھ عرصے بعد اس عہد سے پھر گئے۔ اپنے قول و قرار کو بھول گئے۔ پھر بھی خدا نے تمہارے ساتھ فضل و کرم کا معاملہ کیا ورنہ تم سب ہلاک بھی کیے جا سکتے تھے۔

تشریح آیت ۶۵۔۶۶

☆ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ سبت کے دن دنیاوی کاروبار نہ کریں بلکہ اس دن کو عبادت کے لیے خاص کر لیں۔

☆ بنی اسرائیل کی ایک آبادی ندی کے کنارے آباد تھی۔ ان کے معاش کا انحصار مچھلیوں کے شکار پر تھا۔ وہ اس ندی سے ہی مچھلی کا شکار کرتے۔ سبت کے دن اس ندی میں مچھلیاں بہت زیادہ آتی تھیں،لیکن اس دن شکار منع تھا لہٰذا انہوں نے شریعت کی بے جا تاویل کے ذریعہ راستہ نکالا کہ ندی کے کنارے کنارے بہت سارے گڈھے کھود دیئے اور نالا بنا کر اسے ندی سے ملا دیا۔اس طرح پانی کے سہارے مچھلیاں گڑھے میں آجاتیں اور پھر یہ اسے جال سے بند کر دیتے۔ اور اگلے دن مچھلی نکال کر فروخت کر دیتے۔

☆ اس طرح کی چال بازیوں سے وہ آخر کسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے تھے؟ ایسا کر کے کیا خدا کے حکم کا مذاق نہیں بنایا جا رہا تھا؟ ایسی تاویل کو حکم خدا کا مذاق بنانا ہی کہتے ہیں۔لہٰذا اس جرم کی سزا بھی خدا نے ویسی ہی دی۔ ایسا کرنے والوں کو بندر اور سور بنا ڈالا گیا۔ ان کی صورت بھی سور اور بندروں جیسی ہوگئی اور دل و دماغ بھی۔ پھر انہیں اور ان کی بستیوں کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس واقعہ میں نصیحت ہے ہر اس شخص و جماعت کے لیے جو تاویلات کا سہارا لے کر خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اس طرح کی تاویل کرنا قانون خدا کا مذاق بنانا ہے اور خدا ایسے لوگوں کو دردناک سزا دیتا ہے۔

تشریح آیت ۶۷۔۷۳

☆ بنی اسرائیل میں ایک خون ہوگیا۔قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔خدا نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کا گوشت مردے کے جسم سے مس کرو، مردہ زندہ ہو جائے گا اور قاتل کا پتہ چل جائے گا۔اس حکم کو بنی اسرائیل کے جملہ افراد نے مذاق سمجھا اور گائے کی وضاحت میں لگ گئے۔

☆ ایک گروہ تو وہ تھا، جس کے دل میں گائے کے تقدس کا نظریہ اب تک پیوست تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ نہیں چاہتا تھا کہ قاتل کا پتہ لگے کیوں کہ قاتل انہیں کے قبیلے کا تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جسے یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر گائے کے گوشت کو مردے کے جسم سے لگاتے ہی مردہ کیسے جی اُٹھے گا؟ یہ سب کے سب اس حکم سے پریشان ہوگئے۔ پہلے تو کہا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں کیا؟ پھر جب واضح ہوگیا کہ نہیں یہ مذاق نہیں ہے تو گائے کی تفصیل پوچھنے لگے۔ سوالات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہ حکم بجا لانے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں۔لیکن جب ہر بار ان کے ذریعہ پوچھی گئی تفصیل کا جواب ملتا گیا تو آخر کار انہیں یہ حکم بجا لانا ہی پڑا۔

☆ سوالات کر کے وہ مزید مشکل میں پھنستے چلے گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے اوپر مزید مشقت ڈال لی۔ جب یہ حکم آیا کہ ایک گائے ذبح کرو تو یہ ایک عام حکم تھا، اس کی کوئی وضاحت نہ تھی جو گائے بھی ذبح کر ڈالتے خدا کا حکم پورا ہو جاتا لیکن باریکیاں نکال نکال انہوں نے کر خود کو مصیبت میں ڈال لیا۔

تشریح آیت ۷۴

☆ ان کے دل کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کے دل پتھر سے بھی سخت ہو گئے ہیں۔ ایسا پتھر جس کے اندر کسی طرح کی کوئی نمی نہ ہو اور نہ ہی کوئی باہری چیز اس پر کسی طرح کا اثر ڈال سکے بالکل سخت چٹان۔گناہ، سرکشی اور طغیان سے ایسا دل نشوونما پاتا ہے اور جرائم کا تسلسل اسے سخت تر کر دیتا ہے۔ (☆☆☆)

تحریکی فہم وشعور سے انحراف

مصطفیٰ مشہورؒ

۴۔ جماعت کے بنیادی ڈھانچے کی طاقت اور اس کی شرائط کی پابندی سے بے اعتنائی:

جماعت کی صفوں میں لاپروائی اور من مانی کی روح کا رواج پا جانا، رکنیت اور اس کی شرائط کی پابندی نہ کرنا سنگین ترین انحراف ہے۔ جماعتی ڈھانچہ کے لیے یہ انتہائی خطرناک آفت ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جو جماعت کی کارکردگی کی صلاحیت اور اس کے اندر کام کی فضا کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور یہ ایسے ضرر رساں نتائج پر منتج ہوتی ہے کہ ان کے سبب جماعت کا وجود کم زور پڑ جاتا ہے اور دوسرے امراض کے نشوونما پانے کے لیے فضا سازگار ہو جاتی ہے۔

رکنیت کے شرائط کی تکمیل میں کوتاہی ایک ایسا انحراف ہے، جس کے سبب غیر مطمئن عناصر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور ایسی رکنیت نہ کسی کام کی ہوتی ہے اور نہ جماعتی نظم میں کسی ذمہ داری کے تحمل کی اہل ہوتی ہے۔ اسی لیے جماعت پر اس کے انتہائی مہلک اثرات پڑتے ہیں۔

اسی طرح ذمہ دارانہ منصب کے لیے افراد کے انتخاب میں سہل نگاری سے کام لینا اور غیر مناسب افراد کا انتخاب کرنا بھی ایک ایسا عمل ہے، جو جماعتی ڈھانچے میں کم زوریاں پیدا کر دیتا ہے اور بعض افراد کو خوش رکھنے کے لیے دعوت کو نقصان پہنچانا ایک ایسا انحراف ہے، جس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں کسی طرح کے تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

اسی طرح جماعت کے کاموں سے پہلوتہی اختیار کرنے والے اور شک پیدا کرنے والے عناصر کو جماعت کے اندر بے روک ٹوک فساد پھیلانے کے لیے چھوڑ دینا اور ان سے باز پرس نہ کرنا ایک ایسا انحراف ہے، جس کے برے اثرات ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جماعتی نظم کی پابندی کرنے والی تھوڑی تعداد اس بڑی تعداد سے بہتر ہوتی ہے، جس کے اندر بے چینی اور من مانی کرنے کا رجحان پایا جاتا ہو۔ فوری طور پر ایسے لوگوں کا محاسبہ نہ کرنے سے جماعت کے اندر من مانی کی فضا کو بڑھاوا ملتا ہے اور نتیجتاً نہ ٹھیک طریقے سے جماعتی نظم کی پابندی ہوتی ہے اور نہ جماعت کا کام ہی درست ہوتا ہے۔

جماعتی نظم کی پابندی کرنے والی تھوڑی تعداد اس بڑی تعداد سے بہتر ہوتی ہے، جس کے اندر بے چینی اور من مانی کرنے کا رجحان پایا جاتا ہو۔ فوری طور پر ایسے لوگوں کا محاسبہ نہ کرنے سے جماعت کے اندر من مانی کی فضا کو بڑھاوا ملتا ہے اور نتیجتاً نہ ٹھیک طریقے سے جماعتی نظم کی پابندی ہوتی ہے اور نہ جماعت کا کام ہی درست ہوتا ہے۔

یہ سارے انحرافات گرچہ دیکھنے میں کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں لیکن اپنے انجام کے اعتبار سے انتہائی سنگین ہیں۔ اس لیے اُن سے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے اور ان کے سوتوں کو بند کرنے کے سلسلے میں کسی طرح کی چشم پوشی یا اغماض سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۵۔ جہاد اور اس کی تیاری سے متعلق انحراف:

جہاد ایک ایسا فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس لیے کہ دشمنوں کی چالوں اور زیادتیوں سے حق کو بچانے کے لیے ایک قوت کا وجود ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ“ (البقرہ:۲۱۶) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

جہاد کا مقصد دراصل ان رکاوٹوں کو دور کرنا ہے، جو دشمنانِ اسلام اللہ کی دعوت اور اللہ کے بندوں کے درمیان حائل ہونے کے لیے کھڑی

کرتے رہتے ہیں اور جہاد وہ نفع بخش تجارت ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو دعوت دی اور اُنہیں اس کی ترغیب دلائی ہے۔

تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورۃ الصف: ۱۱۔۱۲)

ترجمہ: تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ (جب ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (بنے) ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

جہاد ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے مؤمن بندوں کے درمیان ایک زبردست تجارتی معاہدے کی پیش کش کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (سورۃ التوبہ: ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (جس میں) قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔

جہاد کے بغیر مسلمان ظلم وزیادتی، ذلت ورسوائی اور نسل کشی کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں اور جہاد کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عزت و وقار کی زندگی میسر آتی ہے، اسلام کو بھی غلبہ حاصل ہوتا ہے اور شہداء کو اپنے رب کے نزدیک عزت کا مقام ملتا ہے اور وہ وہاں رزق پاتے ہیں۔

حسن البنا شہیدؒ نے جہاد کو بھرپور اہمیت دی ہے، اسی لیے اس کو اخوان المسلمون کے شعار میں شامل کیا ہے؛ (جہاد ہمارا راستہ ہے) اور اسی طرح شہادت کو بھی (راہِ خدا میں موت ہماری بلند ترین خواہش ہے)۔ جہاد و قربانی کو ارکانِ بیعت میں بھی شمار کیا ہے تاکہ ہر ایک ان دونوں ارکان کو اپنے اندر جذب کرلے اور ان سے سرِ مُو روگردانی نہ کرے۔ انھوں نے جہاد کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ اخوان المسلمون کا شعار ''قرآن کے گرد دو تلواریں'' بھی جہاد کی علامت ہے اور یہ اس بات بھی علامت ہے کہ اخوان کی دعوت حق، آزادی اور قوت کی دعوت ہے۔

دعوتِ اسلامی کی راہ میں جہاد کی اصل حیثیت ہے اور اس سے انحراف کی صورتیں ذیل ہیں:

الف۔ جہاد کو کماحقہ اہمیت نہ دینا اور اس کے لیے حسبِ استطاعت تیاری نہ کرنا جب کہ اللہ تعالیٰ کا صریح حکم ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ (انفال: ۶۰)

اور ان (کافروں) کے لیے جس قدر ہو سکے قوت درست کرلو۔

ب۔ خوش حالی اور فارغ البالی یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو سست اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔ جہاد سے راہ فرار اور اس سے عدم دل چسپی بھی ایک طرح کا انحراف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد سے باز رہنے والوں کو ہوشیار کیا ہے اور انہیں دردناک عذاب کی دھمکی دی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (التوبہ: ۳۸،۳۹)

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کرلی سو دنیوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلے میں (کچھ بھی نہیں) بہت قلیل ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تم کو سخت سزا دے گا (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دے گا (اور ان سے کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکو گے۔ اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

ج۔اللہ کے راستے میں جان ومال نہ خرچ کرنااور قربانی سے پہلوتہی اختیار کرنا بھی جہاد کی اصل سے انحراف ہے۔

د۔اگراعلاءِکلمۃ اللہ کے لیے جہاد کی نیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوجائے اوراس میں کچھ دوسرے دنیوی مقاصد شامل ہوجائیں تو یہ بھی ایک طرح کاانحراف تصور کیاجائے گا۔

ہ۔جہاد کے آداب اوراس کے مسائل کی پابندی نہ کرنا مثلاً بچوں، بوڑھوں اورعورتوں کو قتل کرنااورمالِ غنیمت میں خیانت کرناوغیرہ بھی جہاد کی اصل سے انحراف ہے۔

و۔ہتھیار کی طاقت کے استعمال میں جلد بازی کرنا اورمناسب وقت آنے سے قبل اور ضروری تیاری سے پہلے دشمنوں سے مقابلہ کرنا دراصل جہاد کی اصل حیثیت سے انحراف کرنا اور اپنے آپ کوخطرات سے دوچار کرنا ہے۔

ز۔اسی طرح مناسب حالات اورمطلوبہ تعداد کی فراہمی کے باوجود دشمن کے مقابلے اوران کی زیادتیوں کاجواب دینے میں پس وپیش سے کام لینا بھی جہاد سے انحراف سمجھاجائے گا۔امام حسن البناءؒ نے ان امورکو بہت واضح اور منطقی طور پر نمایاں کیاہے۔کہتے ہیں:''اخوان کومعلوم ہے کہ اول درجے کی قوت ایمان اورعقیدے کی قوت ہے۔اس کے بعد باہمی اتحاد اورروابطے کی قوت ہے، پھر دست وبازو اورہتھیار کی قوت ہے۔کسی جماعت کواس وقت تک قوت والی جماعت نہیں کہاجاسکتا،جب تک اس کے اندر یہ ساری چیزیں جمع نہ ہوجائیں۔اگرکوئی جماعت دست وبازو اور ہتھیار کی قوت کااستعمال کرے درآں حالاں کہ وہ بدنظمی اور انتشار کاشکار ہو یا اس کا عقیدہ کم زور ہو، ایمان بجھابجھا ساہوتو اس کاانجام فنااور ہلاکت کے سوااورکیا ہوسکتاہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیااسلام نے 'جس کا شعارقوت ہے' ہرطرح کے حالات میں قوت کے استعمال کی تاکید کی ہے یااس کے لیے کچھ شرائط اورحدود متعین کی ہیں؟ تیسری بات یہ ہے کہ کیا طاقت پہلاعلاج ہے یا اسے آخری علاج کےطور پراستعمال کیاجائے گا؟

کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان طاقت کے استعمال سے پہلے اس کے مفید اورمضر نتائج کے درمیان اچھی طرح موازنہ کرلے اورطاقت کے استعمال کو ضروری قرار دینے والے حالات کا بھی بھرپور جائزہ لے لے؟ یااس کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ جب چاہے طاقت کااستعمال کرے اور نتیجے کی پروا نہ کرے؟''

پھر کہتے ہیں:''اخوان المسلمون کے لوگ عملی طاقت کااستعمال اس وقت کریں گے، جب اس کے بغیر کام نہ چلے اوراُنہیں اس بات کا بھرپوریقین ہوکہ انہوں نے ایمان اور اتحاد کی قوت سے اپنے آپ کو مسلح کرلیاہے اورجب یہ لوگ عملی طاقت کا استعمال کریں گے تو انتہائی واضح اورشریفانہ طریقے سے کریں گے۔ پہلے دشمن کو الٹی میٹم دیں گے پھراس کے بعد ردِعمل کا انتظار کریں گے۔ پھر انتہائی شرافت اور عزت کے ساتھ اقدام کریں گے اوراپنے موقف کے سارے نتائج کو پورے اطمینان کے ساتھ قبول کریں گے۔''

اسی طرح جلد بازوں کومخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:''اے اخوان المسلمون کے لوگو! خاص طور پر جذباتی اورجلد بازلوگو! اپنے اس عظیم اجتماع میں اس منبر سے میری بلند وبانگ آواز کو سنو! آپ کا طریقہ کارطے شدہ ہے اوراس کے حدود متعین ہیں۔ میں ان حدود کی مخالفت نہیں کرسکتا،جن کے بارے میں مجھے پورا اطمینان ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ ہاں یہ راستہ طویل ضرورہوسکتاہے،لیکن اس کے علاوہ کوئی متبادل راہ بھی نہیں ہے۔ مردانگی کا اظہارصبر،جہدِمسلسل اورعمل پیہم کے ذریعے ہوتا ہے۔آپ میں اگرکوئی پھل کو پکنے سے پہلے حاصل کرنا چاہتاہے یا پھول کووقت سے پہلے توڑتا ہے تو میں کسی حال میں اُس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اخوان المسلمون کی دعوت کو خیرباد کہہ دے اوراپنی پسند کی دوسری دعوت اختیارکرلے اورجوشخص بیج کے اگنے، درخت بننے، پھل پکنے اورتوڑنے کے وقت تک ہمارے ساتھ صبر کے ساتھ رہنا چاہتاہے، اس کا اجراللہ کے ذمے ہے۔ہم اوروہ اللہ کی مدد اورعالم کی سربراہی یا شہادت اورجنت کی سعادت دونوں بھلائیوں میں سے ایک سے ضرورہم کنارہوں گے۔''

پھر کہتے ہیں:''اے اخوان المسلمون کے لوگو! اگرتم اللہ کی رضا کے طالب ہواوراس کے ثواب اوراس کی خوش نودی کا حصول تمہارامقصد ہے تو یقین رکھو اگرتم مخلص ہوتو تمہارااجر اللہ کے یہاں محفوظ ہے۔اللہ نےتمہیں اعمال کے نتائج کامکلف نہیں بنایاہے، بلکہ صدقِ نیت اورحسنِ استعداد کا مکلف بنایاہے۔ اوراس کے بعد اگرہم غلطی پر ہوئے توہمیں کام کرنے والوں اورکوشش

کرنے والوں کا اجر ملے گا۔ اوراگرہمارا موقف درست رہا توہمیں کام یابی سں ہم کنار ہونے والوں کا اجر ملے گا۔ ماضی اور حال کے تجربات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ بھلائی تمہارے راستے ہی میں ہے۔ تمہارے ہی اقدامات نتیجہ خیز ہیں اور تمہاری سرگرمیاں درست سمت میں ہیں۔ اپنی جدو جہد کو ضائع نہ کرو اور اپنی کام یابی کو داؤ پر نہ لگاؤ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہارے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا اور کام یابی کام کرنے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کر دیں اور واقعی اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حسن البنا کی یہ گفتگو پس و پیش اور سرگرمیوں کو معطل کرنے کی دعوت دیتی ہے تو اس کی بات مانی نہیں جائے گی، بلکہ وہ زندہ دلی اور بلند ترین امنگ پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ چناں چہ ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں: ''ہم زندہ دل، طاقت ور نوجوان، تازہ دم دھڑکنے والے دل، شعلہ بداماں اور غیرت مند جذبات چاہتے ہیں۔ ہم ایسی روحوں کے طالب ہیں جو امنگوں سے بھرپور ہوں اور ان کے اندر کچھ کر گزرنے کی ہمت اور حوصلہ ہو۔ جن کے پیشِ نظر اعلیٰ نمونہ اور بلند ترین مقاصد ہوں اور وہ ان کو پالینے کی ہمیشہ آرزومند ہوں۔ لیکن ان تمام مقاصد اور نمونوں کی تحدید اور ان جذبات واحساسات کو پابند کرنا ناگزیر ہے اور ان سب کو ایک نقطے پر مرتکز کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ ایک ایسا عقیدہ بن جائے جس میں کسی شک وریب اور بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ ہو۔ اس لیے کہ بغیر تحدید و ترکیز (مرکوز کرنے) کے اس طرح کی بیداری صحراء کی اس شعاع کے مانند ہوگی جس میں نہ کوئی روشنی ہو اور نہ کوئی حرارت ہو۔''

۶۔ علاقائی جذبات

ہماری دعوت عالمگیر ہے۔ یہ زمان ومکان کی پابند نہیں ہے اس لیے کہ ہماری دعوت اس اسلام کی طرف ہے جو محمد ﷺ سارے انسانوں کے لیے لے کر آئے تھے۔ اسلام کے زیر سایہ مسلمان ایک امت اور ایک جماعت ہیں۔ ان کا وطن ایک ہے، بلکہ ان کا جسم ایک ہے۔ یہاں رنگ ونسل اور زبان کی کوئی تفریق نہیں اور نہ جغرافیائی حدود کسی طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہاں عربی کو اگر کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر جگہ مسلمان اور مسلمانوں کی ایک ایک بالشت زمین کے تئیں اپنی ذمے داری کا احساس کرے۔ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے صرف اپنے مادر وطن کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام مقدس مقامات اور ان کی زمینوں کے دفاع کا پابند ہے۔ اس طرح وطن اسلام کا دائرہ وسیع ہوکر جغرافیائی اور نسلی وطنیت کی حدود سے نکل کر بلند وبالا اصولوں اور خالص عقائد کی وطنیت تک جا پہنچتا ہے اور ان حقائق کو اپنے اندر سمولیتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے لیے ہدایت اور نور بنایا ہے۔

اسلام صرف ایک اسلام ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر خطۂ ارض کے لیے الگ الگ اسلام ہیں۔ اسی لیے کسی بھی اسلامی خطۂ ارض کا مسئلہ سارے مسلمانوں کا مسئلہ ہے، وہ صرف اسی خطۂ ارض کے لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ہم فلسطین، افغانستان اور شام کے مسائل کو دیکھتے ہیں۔ یہ اصل بنیاد ہے اور اس سے انحراف یہ ہے کہ لوگوں کے اندر علاقائیت کی روح پروان چڑھے، بایں طور کہ کسی ایک خطے میں اسلام کا کام کرنے والے دوسرے خطوں میں اسلامی تحریکوں میں کام کرنے والوں سے الگ تھلگ ہو جائیں۔ خاص طور پر ان عالمی اسلامی تحریکوں سے الگ ہو جائیں جو سارے مسلمانوں کو اپنے اندر سمونا چاہتی ہیں اور ان کی کوششوں میں یگانگت پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ اس طرح سے ان کی کوششیں اور ان کا جہاد ان کے اپنے خطے اور اس کے بسنے والوں تک محصور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور بلا شبہ یہ اصل سے سراسر انحراف ہے۔ اس لیے کہ تمام مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے وحدتِ عمل ضروری ہے۔ اور ہر خطے کے مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ وطن اسلامی کے اندر جہاں چاہے کام کرے اور جہاں چاہے جہاد کرے۔ کسی خطۂ ارض میں محصور ہونا مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ پھر یہ بات ہر خطۂ ارض کے مفاد میں ہے کہ ہر جگہ کے مسلمان اس کے مسائل حل کرنے اور اس کے لیے ضروری جدو جہد کے لیے دامے درمے اس کے ساتھ شریک رہیں۔ تاکہ وہ عالمی دشمنوں کے منصوبوں کا مقابلہ کر سکے جو آپس میں متحد ہیں اور مسلمانوں سے جنگ کرنے

اوران کے خلاف سازشیں کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔

چین وعرب ہماراہندوستان ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہیں ساراجہاں ہمارا

اگراس انحراف کی غلطی اوراس کی سنگینی کو نمایاں طور پرمجسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو سارے یابیشتر اسلامی ملکوں کاحال کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ علاقائیت اورعزلت پسندی کا راستہ اختیارکرکے آج وہ کہاں کھڑے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ ہمارے دشمنوں کی تمنا بھی یہی ہے۔ یہ ایسی کم زوری کی علامت ہے کہ جس کے باعث ان کے لیے اسلامی تحریکوں کو یکے بعد دیگرے ختم کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

اسی لیے اخوان اوّل روز سے دعوت اسلامی کی بین الاقوامیت، عالم گیری اوراسلامی عمل کی وحدت پرزوردیتے ہوئے پوری سنجیدگی سے کام کررہے ہیں۔تاکہ اللہ کے حکم سے وسیع وعریض اورقوی بنیادوں پر اسلامی حکومت قائم ہو۔ چناں چہ دعوتِ اسلامی کے میدان میں کام کرنے والی جماعتوں کے درمیان مقصدکی یکسانیت کے دائرے میں رہتے ہوئے باہمی تعاون، ربط وضبط بڑھانااوران کے حالات وظروف کاٹھیک ٹھیک اندازہ کرنااخوان کی سیاست اوران کاطریقہ ہے۔علاقائی جذبات سے متعلق انحراف کی صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی خطہ کے اندرعمل کے میدان میں مختلف شہروں سے متعلق عصبیت اس طرح ابھرآئے جو اسلامی روح اوراخوت کے منافی ہواورجماعتی صف کے اندران شہروں کی الگ الگ اکائیاں اورمراکز بن جائیں جوصف کوٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیں اورمیدانِ عمل، جہاد اورنتیجہ خیزتعاون کے لیے سدراہ بن جائیں۔ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اوراپنے دلوں سے اس طرح کے اثرات کوکھروچ کرپھینک دیناچاہیے۔

بسااوقات اس انحراف کی صورتیں مختلف خطۂ زمین کے افراد کے درمیان بھی دیکھنے میں آتی ہیں، جو اپنے ملک سے باہرکسی دوسرے ملک میں کام یا ملازمت کی غرض سے جمع ہوتے ہیں اورعلاقائی جذبات کی بنیادپران بھائیوں کے درمیان اعتماداورامدادِباہمی کے معیارات ہوتے ہیں۔خاص طورپرذمہ داروں کے انتخابات اورنظم کی پابندی، اطاعت اورکام کے میدانوں میں یہ چیزنمایاں ہوتی ہے۔ اس طرح یہ جاہلی عصبیت ابھرکرسامنے آجاتی ہے۔حالاں کہ اسلام اس کی تائیدنہیں کرتااورنہ نظمِ جماعت اس کی اجازت دیتاہے اوریہ چیزجماعتی صف اوراسلامی جدوجہد کے لیے بھی ضرررساں ہے۔(جاری)

مشکوک کمائی

امتیاز انصاری آج جمعہ کادن ہے_پچھلے کئی مہینوں سے میں اپنے نئے گھرحنیف ملی نگر(دت نگر) میں رہ رہاہوں۔چوں کہ میری سسرال ناگپور کی ہے تومحترمہ ہرجمعہ بدستورمیری فیملی میری امی کے گھر حکیم نگر جاتی ہیں۔کل رات بائیک وہیں چھوڑ آیا تھا_اوپر سے میری سستی کی وجہ سے نکلتے نکلتے جمعہ کی اذان ہونے لگی تھی۔بڑی مشکل سے ایک رکشہ ملا_جلدی میں بنا کرایہ پوچھے بیٹھ گیا۔ حکیم نگر پہنچنے پر جب اس سے کرایہ پوچھا تو اس نے لینے سے صاف انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ”جمعہ کی اذان کے بعد کوئی بیوپار نہیں“ میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا،

کیوں کہ حلیہ کے اعتبار سے وہ بالکل دیندارنہیں لگ رہاتھا_۔بہت اصرارکرنے پرجب کرایہ نہیں لیاتو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ پروفیشنل نہیں ہوکیا؟ اس نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا:”بھائی، الحمدللہ میراگھراسی پرچلتاہے،لیکن میں نے حدیث سنی ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد بیوپار بندکردیا جائے۔تو میری سوچ میں یہ کمائی مشکوک لگتی ہے_آپ کووہاں کوئی رکشہ نہیں مل رہا تھا تو میں بطورمدد لے آیا، ورنہ میں نماز کے لیے جارہاتھا_یہ کہہ کروہ رکشہ اسٹارٹ کرکے چلاگیا۔اس کے جانے کے بعد میں سوچتا رہ گیا کہ کیاکسی کے ظاہری حلیہ پراس کے باطن کااندازلگایاجاسکتاہے؟

ھند کو مسلمانوں نے کیا دیا؟؟؟

ڈاکٹر انور ادیب

زیرعنوان موضوع پر اظہار خیال سے پہلے آئیے مسلمانوں کی آمد پر گفتگو کی جائے۔

عرب اور ہند کے تجارتی تعلقات قدیم رہے ہیں۔عرب تاجر تجارتی سامان لے کر آتے تھے اور یہاں سے تجارتی سامان خرید کر اپنے ملکوں میں لے جاتے اور پھر یہ سامان یورپ پہنچایا کرتے تھے۔اس درمیان ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔بحری ڈاکوؤں نے خلفیہ بغداد کے ایک قافلے کو لوٹ کر دیبل (سندھ) کے علاقے میں پناہ لی۔یہ قافلہ لنکا کے راجا کے تحائف کو بغداد لے جا رہا تھا۔خلیفہ نے دیبل کے راجہ داہر سے ڈاکوؤں کے حوالہ کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ڈاکوؤں نے عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا تھا اور ڈاکو راجہ داہر کی پناہ میں تھے۔

جب راجہ داہر نے خلیفہ کے مطالبے کو مسترد کر دیا تو خلیفہ نے محمد بن قاسم کی سربراہی میں راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے ایک فوج روانہ کی۔یہ 711ء کی بات ہے۔محمد بن قاسم نے دیبل اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو فتح کر لیا۔اس جنگ میں مقامی لوگوں نے اس کا زبردست ساتھ دیا کیوں کہ وہ لوگ راجہ داہر کے ظلم و استبداد سے نالاں تھے۔

محمد بن قاسم کے بعد مختلف خاندانوں ــــــ غوری، خلجی، تغلق وغیرہ ــــــ نے ہند پر نہایت عدل و مساوات کے ساتھ تقریباً سات سو سال حکومت کی۔اس طویل مدت میں جبراً تبدیلیٔ مذہب کا کوئی واقعہ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔اگر ایسا ہوتا تو اتنا طویل عرصہ مسلم حکومت قائم نہیں رہتی اور مسلمان آج اقلیت میں نہ ہوتے۔جس نے اسلام قبول کیا اپنی مرضی سے۔اس میں اسلام کے مساویانہ سلوک کا خاص رول رہا۔یہاں بزرگان دین کی کوششوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، ان میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بابا فریدؒ کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اب آئیے اصل موضوع کی طرف کہ مسلمانوں کی آمد سے کو کیا ملا۔بالفاظ دیگر کو مسلمانوں نے کیا دیا۔ذیل کی سطور میں اس پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆**خدا پرستی:** مسلمانوں کی آمد سے پہلے مختلف دیوی دیوتاؤں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔سناتن دھرم تحریف کا شکار ہو گیا تھا۔اسلام کے اثر سے ہندو سماج میں بہت سے مصلح پیدا ہوئے، جنہوں نے قوم کو بت پرستی سے نکالنے کی کوشش کی۔بھگت کبیر و گرونانک نے ایک خدا کی عبادت پر زور دیا۔شنکر اچاریہ، دیانند اور رامانند نے بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی۔

☆**مساوات:** مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندو سماج اونچ نیچ اور ذات پات کا بہت زیادہ شکار تھا۔اسلام کے تصور مساوات نے طبقاتی نظام کو بے حد متاثر کیا۔بقول پنڈت جواہر لعل نہرو اسلام کی آمد سے ہند میں چھوت چھات اور ذات پات کے نظام پر زبردست اثر پڑا۔مشہور انگریز مورخ ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے برہمنوں اور اچھوتوں دونوں کو یکساں طور پر انسانی مراعات کے حصول کے مواقع ملنے لگے۔یہاں یہ یاد دلا دوں کہ ولیم ہنٹر اپنی مسلم دشمنی کے لئے مشہور ہے لیکن اسلام کے اصول مساوات سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ مندرجہ بالا حقیقت پسندانہ خیال کے اظہار پر مجبور ہوا۔

☆**معاشرتی اصلاح:** اسلام کی آمد سے قبل ہند کے لوگ توہمات کے شکار تھے۔پجاری بھی ایسے توہمات کو کافی اہمیت دیتے تھے کیوں کہ اس سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا۔لوگوں کا خیال تھا کہ پجاری ہی انہیں ان سے نجات

دلا سکتے ہیں۔مسلمانوں کی آمد سے ایک نیا تمدن پیدا ہوااور آہستہ آہستہ توہمات کے اثرات کم ہونے لگے۔بقول ڈاکٹر تارا چند مسلمانوں کی آمد سے بھارت کی معاشرتی زندگی میں زبردست تبدیلی رونما ہونا شروع ہوئی۔

☆**عورتوں کے ساتھ حسن سلوک:** مسلمانوں کی آمد سے قبل عورتوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا تھا۔لوگ غلاموں کی طرح بیویوں کو فروخت کردیتے تھے۔اس سلسلے میں کوروؤں اور پانڈوؤں کے واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں،جن سے ہر خاص و عام واقف ہے۔بیوہ عورت کو جینے کا کوئی حق نہیں تھا۔اسے شوہر کے مرنے کے بعد اس کی چتا میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔اس ستم کو''ستی'' کا نام دیا گیا تھا۔بیوہ کو دوسری شادی کا حق نہیں تھا۔مسلمانوں کی آمد کے بعد اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر عورتوں کے حقوق کو تسلیم کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔مختلف سماجی مصلح پیدا ہوئے مثلاً راجہ رام موہن رائے وغیرہ جن کی کوششوں سے بیواؤں کو دوسری شادی کا حق ملا۔مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر بر نیر (Dr Francois Bernier)،جو شاہ جہاں کے زمانے میں ہند آیا تھا،لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے ہند میں ستی کی وحشیانہ رسم میں بہت کمی ہوئی۔

☆**انصاف کی فراہمی:** مسلمانوں کی آمد کے بعد ہند میں عدل و انصاف کا بہترین وسازگار ماحول بنا۔مسلم حکمراں عدل و انصاف کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ان کی آمد سے قبل عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم نہیں تھا۔عدل جہاں گیری بہت مشہور ہے۔جہاں گیر نے اپنے آگرہ کے قلعہ میں ایک زنجیر لٹکا رکھی تھی۔فریادی کسی بھی وقت اس زنجیر کو کھینچتا اور اسی وقت اس کی فریاد سنی جاتی۔ملک میں امن وامان کے قیام پر زور دیا جاتا تھا تاکہ رعایا کی جان و مال محفوظ رہے۔نشہ آور اشیا پر پابندی تھی۔برے کاموں کی روک تھام کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا تھا۔قانون پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ان باتوں کی وجہ سے لوگ پر امن زندگی گذارتے تھے۔قانون شکنی کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔عدل و انصاف کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔غیر جانب دار اور انصاف پسند مورخین نے مسلم دور حکومت کی کھل کر تعریف کی ہے۔

☆**تعلیم وتہذیب کو فروغ:** مسلمانوں کی آمد سے قبل علوم وفنون میں ہندوؤں کے ایک طبقہ کیا جارہ داری تھی۔مسلمانوں نے اس اجارہ داری کو ختم کرکے علم کے حصول کو عام کیا۔ان علوم میں تاریخ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ہند میں مسلمانوں کو آمد سے قبل تاریخ نویسی کا کوئی رواج نہیں تھا۔مسلمانوں نے یہاں تاریخ نویسی کی ابتدا کی۔گویا ہند میں مسلمان علم تاریخ کے موجد ہیں۔مشہور فرانسیسی مصنف موسیو لیف نے بجا کہا ہے کہ ہند کے پہلے مورخ مسلمان تھے۔

مسلمانوں نے کتب خانے بنوائے جن میں ہندی،عربی اور یونانی علوم وفنون کی کتابوں کا عظیم ذخیرہ تھا۔

ہند کے قدیم علوم محفوظ کرنے میں البیرونی کا نہایت اہم رول رہا ہے جو محمود غزنوی کے زمانے میں ہند آیا تھا۔البیرونی نے اپنی سیاحت کے بعد 'کتاب الہند' کے نام سے جو کتاب لکھی،وہ بھارت کے تہذیب وتمدن پر مبنی زبردست معلومات کی ایک مستند کتاب ہے۔اس وقت کے برہمنوں نے البیرونی کے ذریعہ عربوں کے علوم وفنون سے کافی استفادہ کیا۔

مسلمانوں نے ہند کی قدیم طب کو جدید بنیاد فراہم کی۔یہاں کی قدیم طبی کتابوں مثلاً چَرَک سمہیتا (ہندوستانی طب کے باوائے آدم چرک کی مشہور تصنیف)،سشرت سمہتا (قدیم بھارت کے بابائے جراحت سشرت کی مشہور تصنیف) سدھانت شیرومنی (Siddhant Shiromani) وغیرہ جیسی اہم کتابوں کو عربی میں منتقل کرکے ان میں اپنی تحقیقات کا مزید اضافہ کیا اور قدیم ہندوستانی علوم کو دنیا سے روشناس کرایا۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں زبان وادب کو زبردست ترقی ہوئی۔مسلمانوں نے ہندی شاعری کی حوصلہ افزائی کی۔ہری داس،ہر مانند، چھیت سوامی،جئے بھگت جیسے مشہور شعرا مسلمانوں کے دور میں عروج پائے۔اکبر کے دربار میں فارسی شعرا کی طرح ہندی شعرا کی بھی آؤ بھگت تھی۔

مسلمانوں کے دور میں علاقائی زبانوں کو بے حد ترقی ہوئی۔پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خاں کھٹک،پنجابی کے مشہور شاعر سلطان باہو،بھلے شاہ، وراث شاہ،سندھی کے مشہور شاعر عبداللطیف،بنگال کے مشہور شاعر دولت قاضی اور مراٹھی کے عظیم شاعر رام داس مسلمانوں کی زیر سرپرستی پروان چڑھے۔

مسلمانوں نے ہند کی تہذیب وتمدن پر بھی گہرا نقش چھوڑا ہے۔رہائش،لباس اور کھانے پر غور کریں تو مسلمانوں کے طرز زندگی کا نقش آپ کو صاف نظر آئے گا۔بقول مشہور مورخ ڈاکٹر بی این

پاڑے ملک کی اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کی چھاپ گہری نظر آتی ہے۔

مسلمانوں نے فن مصوری کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ انہوں نے ملک کے مختلف حصوں میں جدید قسم کے "آرٹ اسکول قائم کروائے جن میں جدید طرز کے فنون سکھائے جاتے تھے۔ بقول 'سر جادو ناتھ سرکار' مسلمانوں نے اس فن کو عروج تک پہنچادیا۔

☆**صنعتوں کو فروغ:** آج ہند میں میک ان انڈیا کی بات کی جارہی ہے۔ اس نظریہ کو پہلی مرتبہ گجرات کے ایک حکمراں سلطان محمد بن شاہ نے متعارف کرایا۔ یہ آج سے گیارہ سو سال پہلے کی بات ہے۔ کپڑوں کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے۔ اس کے علاوہ چمڑے اور کاغذ کی صنعت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ ہند میں کاغذ کا استعمال مسلمانوں کے ذریعہ شروع ہوا۔ عرب تاجر سندھ میں کاغذ لے کر آئے اور رفتہ رفتہ بھارت کاغذ سازی کا بڑا مرکز بن گیا۔

☆**عمارت سازی کو فروغ:** مسلمانوں نے عمارت سازی کے لئے چونے کا استعمال کیا۔ عمارتوں کو جوڑنے والے مصالحوں سے روشناس کرایا۔ مینار، محراب، گنبد اور خطاطی مسلمان معماروں کی دین ہیں۔ انہوں نے ہندو طرزِ تعمیر کی بعض خصوصیات کو اپنا کر اس میں جدت پیدا کر دی۔ اس طرح انہوں نے فن تعمیر کو کمال تک پہنچادیا۔ تاج محل (جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے)، دہلی کا لال قلعہ، آگرہ کا قلعہ، قطب مینار، دہلی کی جامع مسجد وغیرہ مسلمانوں کے فن تعمیر کے زندہ ثبوت ہیں۔

ہند میں مختلف شہروں کا قیام مسلمانوں کی مہارت کے مظہر ہیں۔ ان میں شاہ جہاں آباد (دہلی)، فتح پور سکری، اورنگ آباد، ڈھاکہ، گجرات وغیرہ شامل ہیں۔

☆**رفاہی کاموں کو فروغ:** ہند میں مسلمانوں نے رفاہی کاموں کا جال بچھا دیا۔ نہر اور تالاب کھدوائے، نہروں اور دریاؤں پر پل تعمیر کرائے۔ بڑی شاہراہیں بنوائیں، سڑکوں کے دونوں جانب سایہ دار درخت لگوائے۔ سرائے اور حمام بنوائے۔ سڑکوں اور گلیوں کی صفائی کا اہتمام کیا، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کے وظیفے مقرر کئے۔ ملک میں مفت تعلیم کو رواج دیا۔ بڑے بڑے شفا خانے قائم کئے جن میں مفت علاج ہوتا تھا۔ محتاج خانے قائم کئے، ملک میں لنگر خانوں کا جال بچھادیا تاکہ کوئی شہری بھوکا نہ رہے۔ بے روز گاری کے خاتمہ کے لئے حکمتیں اپنائیں، اشیاء کی قیمتوں کا تعین کیا، سودی قرضوں پر پابندی لگائی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ مسلم دور حکومت میں ہندوستان صحیح معنوں میں ایک فلاحی ریاست تھا۔ آج ہند کو ایک فلاحی ریاست کہا جاتا ہے۔ یہاں کے دستور (Constitution) میں اسے فلاحی ریاست کا درجہ دیا گیا ہے بھارت لیکن کیا یہ ملک واقعی میں ایسا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

☆**متحدہ بھارت کی تشکیل:** جس متحدہ بھارت کو انگریزوں کی پالیسی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس متحدہ بھارت کی تشکیل مسلمانوں نے کی۔ چھوٹے چھوٹے منقسم علاقوں کو فتح کر کے ایک عظیم بھارت کی بنیاد رکھی۔ اورنگ زیبؒ کے زمانے میں بھارت برصغیر کا سب سے عظیم ملک تھا۔

☆**عسکری طاقت کو فروغ:** مسلمانوں نے ہند کو فوجی طور پر طاقتور بنایا۔ یہاں کا بحری بیڑہ مسلمانوں نے ہی تشکیل دیا۔ توپوں کا باقاعدہ استعمال ابراہیم لودھی نے کیا۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے راکٹ ایجاد کیا۔ امریکی خلائی تنظیم ناسا (NASA) میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا نام راکٹ کے موجدوں کی حیثیت سے آج بھی درج ہے۔ ٹیپو سلطان نے جہاز سازی کی بنیاد ڈالی اور اس کے کارخانے بنوائے۔ منجنیق اور بارود کا استعمال جنگ میں مسلمانوں نے شروع کیا۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہے کہ مسلمانوں نے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد اسے اپنا وطن سمجھ کر اس کی ہر طرح سے ترقی میں کوشاں رہے۔ اسے انگریزوں کی طرح لوٹ کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اپنی رواداری اور حسن سلوک سے یہاں کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ہند پر ان کی طویل حکمرانی (تقریباً آٹھ سو سال) کی وجہ یہی ہے۔ لیکن انگریزوں کی سازش اور پھوٹ (Divide & Rule) والی پالیسی نیز مسلمانوں کی داخلی وظاہری کمزوری سے مسلمانوں کی حکومت جاتی رہی اور جب بھارت انگریزوں کا غلام ہوگیا تو اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے۔ مسلمانوں نے جو زبردست قربانیاں دیں، اس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔

تحریک آزادی میں مسلمانوں کے دیئے ہوئے کچھ نعرے بھی دیکھیں۔

☆انقلاب زندہ باد کا نعرہ مولانا حسرت موہانی نے دیا۔

☆بھارت چھوڑو (Quit India) کا نعرہ یوسف علی مہر نے دیا۔

☆''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' جیسا ترانہ علامہ اقبال کی فکر کی دین ہے۔جس سے بعد میں انہوں نے رجوع کیا اور تصحیح کر کے یہ تخلیق پیش کی: ''چین وعرب ہمارا ہندوستان ہمارا۔۔۔''

یہاں یہ بھی بتادیں کہ ترنگا کا ڈیزائن ثریا طیب کے اختراعی ذہن کا نتیجہ ہے۔

ہند پر مسلمانوں کے ان احسانات کے بعد بھی اگر کوئی طبقہ یہ چبھتا ہوا سوال کرے کہ بھارت کو مسلمانوں نے کیا دیا؟ تو ایسی ذہنیت اور سوچ کے اسباب کا اندازہ لگا نا مشکل نہیں۔

علامہ اقبال کے اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں:

مذہب نہیں سکھا تا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

مراجع ومصادر:

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک: ڈاکٹر تاراچند

ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری (مکمل): سید صباح الدین عبدالرحمٰن

Discovery of India: پنڈت جواہر لعل نہرو

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (حصہ دوئم): ثروت صولت

سلاطین ہند کی علم پروری: محمد حفیظ اللہ

ہندوؤں کی علمی ترقی میں مسلم حکمرانوں کی کوششیں۔مولانا عبدالسلام ندوی

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی کارنامے: سید ابوظفر ندوی

ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول: ڈاکٹر ایشورٹوپا

A History of Engineering - Donald Hill

(1922 - 1944)

(☆☆☆)

(☆☆☆)

نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو
یہ شہادتوں کا ہے کارواں
یہاں زندگی نہیں دائمی
چلو خلد میں ملیں

مہرباں مری موت پر مری فرحتیں
ملیں منزلوں کی مسرتیں
ملیں رحمتیں ، یہ عنایتیں
نبی اور صحابہ کی صحبتیں
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

یہ مری شہادتِ راہِ دیں
یہ مری شجاعتِ آفریں
مرے دین کی یہی نصرتیں
یہ مرے لہو کی بشارتیں
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

مجھے خلد میں ملیں نعمتیں
وہ سکونِ جاں وہ محبتیں
بڑی آزمائشوں میں ملیں
مرے دل کو شکر کی وسعتیں
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

جو گرا زمیں پہ مرا لہو
ہے یہ آخرت میں نشاں لہو
یہ شہید کی ہیں فضیلتیں
ہے گلاب سی ملیں رنگ و بو
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

مرے دوستوں کی یہ کاوشیں
یہی راہِ حق کی صعوبتیں
ہے یہ مردِ حر کی حجازیت
یہی حکمِ رب کی ہیں برکتیں
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

یہ عزیمتیں، یہ جراحتیں
یہی مومنوں کا غرور ہے
رخِ مصطفیٰؐ کی اک جھلک
دلِ غمزدہ کا سرور ہے
نہ ہوں غمزدہ مرے دوستو۔۔۔۔

مومنؔ ہندی ممبرا

جمہوری نظام اور علامہ اقبالؒ

مولانا عرشی نعمانی

علامہ اقبال کو ساری دنیا جانتی ہے، وہ ڈاکٹر آف فلاسفی اور بیرسٹرایٹ لا تھے۔ ان کی پی ۔ایچ ۔ڈی کی ڈگری آج کل کے پی ایچ ڈی حضرات کی ڈگریوں کی طرح نہ تھی اور وہ آج کل کے بیرسٹر اور ایڈوکیٹ حضرات کی طرح فقط قانون کی سند نہیں رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ لوگ آج کل ہر گلی کوچہ میں ڈاکٹروں اور بیرسٹروں کی دیکھ ،دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ڈاکٹر اقبال بھی ایسے ہی کوئی ڈاکٹر آف فلاسفی بیرسٹرایٹ لا ہوں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کو فلسفہ ،تاریخ اور قانون میں امامت کا درجہ حاصل تھا، ان علوم وفنون میں وہ سند اور اتھارٹی تھے، جدید علوم وعمرانیات میں ان کو یدطولیٰ حاصل تھا اور آج بھی ان علوم کے اندر جو اختصاص ان کو حاصل تھا، دنیا میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان کو دنیا زیادہ تر ایک صاحبِ پیغام شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے۔ لیکن عصر حاضر کے علوم میں جو گہری بصیرت علامہ اقبال کو حاصل تھی، اس سے دنیا کما حقہٗ واقف نہیں ہے۔ وہ تاریخ وسیاسیات پر گہری نظر رکھتے تھے، انہوں نے اپنے کلام نظم ونثر میں جو کچھ لکھا ہے، وہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ دنیا کی مذہبی اور سیاسی تحریکوں پر ان کی بڑی گہری نظر تھی اور انہوں نے ان کا بڑا گہرا اور تنقیدی جائزہ لیا ہے اور نہایت بصیرت افروز انداز میں ان پر تبصرہ کیا ہے، جو کچھ لکھا ہے ڈوب کر لکھا ہے۔

جن ماہرین علم وفن کی نظریں سطحی ہوتی ہیں وہ ان افکاروتصورات پر تنقیدی نظری ڈال نہیں سکتے، جن افکاروتصورات کا اثر ذہنوں پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اقبال چوں کہ جدید علوم وفنون کے سمندر میں ڈوب کر نکلے تھے اور یورپ میں رہ کر مغربی

جمہوریت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا، اس لیے انہوں نے جمہوریت پر اس دور ہی میں سخت تنقید کر ڈالی تھی، جب کہ چاردانگِ عالم میں جمہوریت کی صداقت کا ڈنکا بج رہا تھا، اور عین جمہوریت کے صدرمقام یورپ میں اپنے تنقیدی خیالات کا بلاجھجک اظہار کر دیا تھا ، اور اسی وقت جمہوریت کی ایک ایک خامی پر انگلی رکھ کر نشان دہی کر دی تھی، لیکن دنیا نے ان کو محض ایک شاعر سمجھ لیا اور شاعری کے پردے میں انہوں نے جن حقائق کو برملا پیش کیا تھا، ان کو نظرانداز کر دیا۔ انہوں نے مغربی تہذیب اور مغربی جمہوریت پر اپنے کلام میں جو سخت چوٹیں کی ہیں، اس وقت یورپ کے بڑے بڑے دانش ور، فلسفی اور سیاست داں مدبر بھی ان کی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھے۔ ان چوٹوں کی کسک کو بعض لوگوں نے اپنے سینوں میں محسوس تو کیا لیکن ان کا کوئی جواب ان سے بن نہیں پڑا۔ چوں کہ اقبال عملی سیاسیات سے کنارہ کش تھے، اس لیے دنیا ان کے حقیقی مقام اور پیغام کو سمجھنے سے قاصر رہ گئی، چناں چہ انہوں نے خود فرمایا ہے:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جمہوری نظام حکم رانی پر جو تنقید فرمائی ہے اور جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، ہم ان کو خود ان کے اردو وفارسی کلام کی روشنی میں پیش کریں گے تاکہ جمہوریت کے حقیقی خدوخال مزید واضح ہو جائیں اور جمہوری نظام کی ساری خامیاں اور خرابیاں پوری طرح عیاں ہو جائیں۔

جمہوری نظام میں اقتدار کا منبع اور سرچشمہ عوام ہیں اور سیاسی طاقت کے وہی مالک ہوتے

ہیں۔اگرعوام اپنا حق حکم رانی کسی نمائندے کے سپرد کریں واس سے اس حق کو چھین لینے کے مجاز بھی وہی ہوتے ہیں۔لیکن اقبال عوام کو اقتدار کا سرچشمہ تسلیم نہیں کرتے۔ وہ جمہوریت کے اس اولین اصول ہی کو سرے غلط اور خلاف حقیقت قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک قرآنی تعلیم کی رو سے حکم رانی اور فرماں روائی کا حق صرف خدا کی ذات کو حاصل ہے۔اس سے بڑھ کر انسانی فکر وعمل کی رہ نمائی کوئی نہیں کرسکتا۔اقبال اصلی اور حقیقی حکم راں اسی ذات کو مانتے ہیں جو دنیوی اعتبارات اور تقیدات سے یکسر پاک اور مطلقِ محض ہو، کیوں کہ اسی ذات مطلق کے آگے، ''فطرتِ انسانی'' اپنی جبین نیاز جھکا سکتی ہے۔ذاتِ الہیٰ نہ صرف اقتدار اور طاقت کا سرچشمہ ہے بلکہ ''وہی نیکی اور اخلاق کا منبع'' بھی ہے۔اس کی عقیدت کے بغیر انسان کے سارے اجتماعی مقاصد کھوکھلے اور بے اثر رہیں گے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکم راں ہے بس وہ باقی بتانِ آذری

جب تک انسان اصولِ توحید کو تسلیم نہ کرے وہ وہ بندگی غیر کی زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا، اس لیے اقبال لا الہٰ کو نقطۂ ادوارِ عالم اور انتہائے کارِ عالم قرار دیتے ہیں۔

تا نہ رمز لا الہٰ آید بدست
بندِ غیر اللہ را نتواں شکست
نقطۂ ادوارِ عالم لا الہ
انتہائے کارِ عالم لا الہ

لا و الّا احتسابِ کائنات
لا و الّا فتحِ بابِ کائنات

اگر حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی یا گروہ امر و نہی کا مختارِ کل ہو تو دنیا میں طاقت اور کم زور اور ناتوانوں پر ظلم کرنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حاکم اور صاحبِ امر و اقتدار ہونا ہی دراصل کفر ہے۔

غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود
زورور بر ناتواں قاہر شود
زیرِ گردوں آمری از قاہری ست
آمری از ماسوا اللہ کافری است

علامہ اقبال کے نزدیک یہ جمہوری نظام ایک سراب رنگ و بو کے سوا کچھ نہیں۔یہ ایک قفس ہے، جس کو نادانی سے آشیاں سمجھ لیا گیا ہے:

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

اسٹینڈل ایک مغربی مفکر تھا۔اس نے جمہوری نظام کو ایک بہت بڑی خرابی کی نشان دہی کی ہے۔اس نے کہا کہ جمہوری نظام میں آدمی کی صلاحیت و استعداد کی کوئی قدر نہیں، بلکہ تعداد کی اہمیت ہے، وہاں آدمی کی صلاحیت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کثرتِ تعداد کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے، حالاں کہ عقل و فہم اور صلاحیت کے بغیر کسی اجتماعی نظام کو چلانا ناممکن ہے اور جہلاء کی تعداد خواہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو، اس کام کے لیے ہرگز موزوں نہیں ہوسکتی، اسٹنڈل نے کہا کہ

جمہوریت کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ شمار تو کرنا چاہتی ہے، مگر وزن کرنا نہیں جانتی، جس کے بغیر کسی ریاست اور ہیئتِ اجتماعیہ میں عدل و اعتدال قائم نہیں رہ سکتا

اسٹنڈل کی اس تنقید کو اقبال نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

اس راز کو مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت میں فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، فیصلہ صحیح ہو یا غلط، حق ہو یا ناحق، اس سے کوئی بحث نہیں۔لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کا فیصلہ جو عدل و انصاف اور اخلاق کے خلاف ہو، محض اس بنا پر قابل قبول نہیں ہوسکتا کہ اکثریت اس کے موافق ہے۔جمہوری نظام کے اس اصول پر اقبال نے برہمی کا اظہار کیا ہے اور عوام کو جن کی کثرتِ رائے پر حق و باطل کے فیصلے کا دار و مدار ہوتا ہے، دوں فطرت حقیقت ناآشنا، چیونٹی اور گدھا قرار دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک جمہوری نظام کا اکثریتی اصول نہایت ہی غلط اور غیر معقول ہے۔چناں ذیل کے اشعار میں ان کی برہمی صاف عیاں ہے:

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

محکوم قومیں جب کبھی ذرا بیدار ہوتی ہیں اور حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو حکم راں قومیں اپنی ساحری سے انہیں تھپک تھپک کر پھر سلا دیتی ہیں۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکم راں کی ساحری

چناں چہ جب یورپ میں عوام میں بیداری کی لہر چل پڑی تو اربابِ اقتدار نے انہیں جمہوریت کی لوریاں سنا کر پھر سلا دیا اور عوام حکم راں کے اس سحر سے مسحور ہو گئے، اور جمہوریت کو اپنی آزادی سمجھ لیا، حالاں کہ یہ جمہوری نظام بھی درحقیقت اسی شخصی سلطنت کا سازِ کہن تھا، جس کے پردے میں نوائے قیصری کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جمہوریت کے پردے میں آج بھی قیصریت اور ملوکیت کارفرما ہے، ظلم و استبداد آج بھی جمہوری قبا میں محو رقص ہے، مگر عوام کا لانعام کی سادہ لوحی اور حماقت یہ ہے کہ اس ملوکیت کے قدیم دیو استبداد کو آزادی کی نیلم پری سمجھ رہے ہیں، کیوں کہ اس نے جمہوری لباس زیبِ تن کر رکھا ہے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے حکم راں طبقہ نے پارلیمنٹ، قانونی ادارے، بنیادی حقوق، اصلاحی قوانین اور عوامی فلاح و بہبود کے نام سے طرح طرح کے پرفریب جھانسے دے رکھے ہیں، حالاں کہ یہ مغرب کا جمہوری نظام درحقیقت وہی پرانا شخصی نظام سلطنت ہے، جو آئینی اور جمہوری لباس میں ملبوس ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
دیو استبدادی جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

علامہ اقبال کے نزدیک مغرب کا سیاسی نظام، خواہ وہ جمہوری ہو یا اشتراکی یا سرمایہ دارانہ نظام، سب کے سب ابلیسی نظام ہیں، چناں چہ ابلیس ہی کی زبان سے کہلاتے ہیں۔

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک
اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

(☆☆☆)

فارم نمبر چار Form (4)

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت : پہلا منزلہ، بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے، سبھاش چوک، آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔
دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

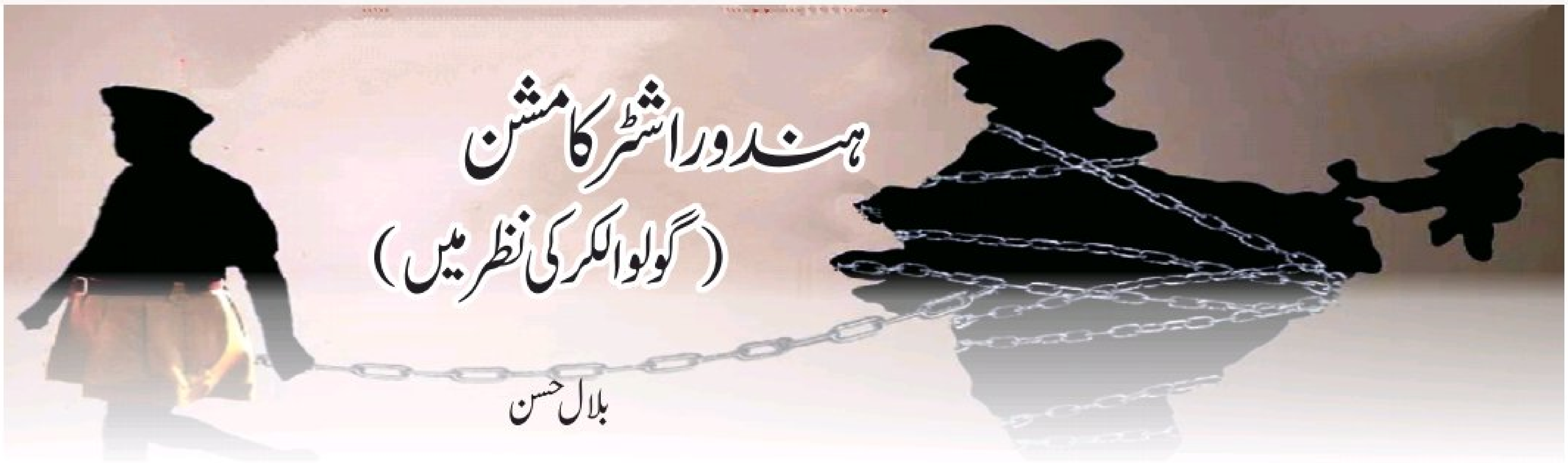

ہندو راشٹر کا مشن
(گولوالکر کی نظر میں)

بلال حسن

ایم ایس گولوالکر کے بیان کردہ ہندو راشٹر کا مشن مکمل طور پر ہندو مذہب کی قدیم قومی ثقافت پر مبنی ہے۔اس میں ''ماتر بھومی'' یا زیادہ واضح طور پر ہندو راشٹر کے بینر کے تحت تمام ہندوؤں کو روحانی طور سے متحد کرنے پر توجہ دی گئی ہے۔حالاں کہ مقصد ہندو راشٹر نہیں بلکہ ''برہمن شاہی راشٹر'' کا قیام ہے، جس کے لیے عام ہندوؤں کو ورن ویوستھا کے نام پر استعمال کیا جائے گا۔

گولوالکر راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کا دوسرا سرسنگھ چالک (امیر) تھا۔آر ایس ایس ہندو یا برہمن راشٹر کے قیام کے لئے 1925ء میں شروع کی گئی۔یہ تحریک خود ہندوؤں کی طرف سے ہندو ثقافت کے ادراک اور پوری دنیا میں اس کی قبولیت پر مرکوز ہے۔جیسا کہ گولوالکر نے پیش گوئی کی ہے کہ دنیا بین الاقوامیت کی طرف گامزن ہے، اس لئے انہوں نے جواز پیش کیا کہ ان کا نظریہ قومی حدود تک کیوں محدود ہے۔

1906ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے، گولوالکر نے 1937ء میں آر ایس ایس میں داخلہ لیا اور آر ایس ایس کے پہلے ہیڈ اور بانی ڈاکٹر کیشیو بالیرام ہیڈگیوار کی وفات کے بعد 1940ء میں اس کا روحانی اور فلسفیانہ رہنما بن گیا۔اس نے دیہی اور شہری علاقوں میں گہری جڑیں ڈال کر اس تحریک کی بنیاد کو وسیع کیا۔اپنی ''شاکھا'' تکنیک سے اس نے اپنے ساتھیوں کو سخت تربیت فراہم کر کے اسے ایک وسیع پیمانے پر منظم تحریک کے طور پر پیش کیا۔اپنی مشہور کتاب "Bunch of Thoughts" میں، اس نے موجودہ دنیا کے منظر نامہ میں اپنی تنظیم کی ضرورت اور اہمیت پر زور ڈالتے ہوئے اس کا مشن بیان کیا۔اس نے ایک ایسے وقت میں قوم پرستی کی تحریک کی ضرورت کی وضاحت کی جب عالمگیریت/ بین الاقوامیت کو بالا دستی حاصل ہو رہی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ بین الاقوامیت کے اقدام سے قومی ورثے کے تحفظ کو متاثر کیا جاتا ہے اور اس کی شناخت بھی متاثر ہوتی ہے۔وہ قومی ریاستوں کے مابین تنازعہ کی وجوہات کی وضاحت میں اپنے نظریہ کو پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ مادیت کے تصور کی وجہ سے ہے، جس کے نتیجے میں یہ تنازعہ پیدا ہوا ہے اور روحانیت کے نظریہ پر مبنی واحد قوم (یعنی ہندو راشٹر) ہی عالمی سطح پر پیدا ہونے والے ان مسائل کا سامنا کر سکتی ہے۔اس نے دوسری عالمی جنگ کے دوران یا اس کے بعد پیدا ہونے والے بین الاقوامی تنازعات کی نشان دہی کی جن کو مناسب طریقے سے حل نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ ہر قوم اپنے ذاتی مفاد کے چکر میں پڑی تھی۔لہٰذا وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ قوم پرستی کے نظریہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے چناں چہ ہمیں اس تصور یا نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر سیاسی سطح پر آگے بڑھنا چاہیے۔

یہ بتانے کے لئے کہ مختلف ممالک کے مابین عالمی سطح پر تنازعات کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے، اس نے ہندوؤں کے تصور روحانیت پر زور دیا جو انسانیت کو نجات کی راہ فراہم کر سکتا ہے۔اس نے وضاحت کی کہ روحانیت کا ہندو تصور انسان کے اپنے نفس کے ادراک اور دوسری مخلوقات کے تئیں اپنی ذمہ داری پر مرکوز ہے۔انسان ان اقدار کے تابع ہو کر ہی امن حاصل کر سکتا ہے۔وہ اس جواز کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ صرف ہندوؤں نے ہی پوری دنیا کو متحد کرنے کے لیے کئی صدیوں سے سائنس کو بے نقاب کیا ہے۔اس نے مزید کہا کہ صرف ہندوؤں کے پاس الٰہی مقدس علم ہے جس میں پوری دنیا کو متحد کرنے کے

اصول موجود ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ہندو آباواجداد - مفکرین، منتظمین، سوداگروں، سائنس دانوں، فنکاروں اور فلاسفرز نے ہی پوری دنیا میں ان یکساں اصولوں کو متعارف کرایا۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ ہندوؤں نے کبھی بھی مسلمان یا عیسائی جیسے ملک پر حملہ نہیں کیا۔

خلاصہ کے طور پر وہ کہتا ہے کہ آر ایس ایس نے تمام ہندوؤں کو یکساں طور پر منظم کر کے ان کو ان کی تاریخ سے آگاہ کرنے کے لئے پرانے ہندو معاشرے کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہ ان دو تصورات پر بھی تنقید کرتا ہے جو موجودہ دنیا میں وسیع پیمانے پر پائے جاتے ہیں یعنی مقابلہ (Competition) اور کھلی آزادی (Permissiveness)۔ اس نے مثالوں کے ذریعے واضح کیا کہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی اشیاء کے حصول اور اس میں اضافہ کا مقابلہ لوگوں کے مابین دشمنی کا باعث بنا۔ لوگ فطرتاً انا پرست ہو گئے ہیں، ہر ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور مسابقت کی اس دوڑ میں عوام نے دوسرے کے حقوق غصب کر لیے ہیں۔ اس کے بعد وہ کھلی آزادی (Permissiveness) پر تنقید کرتا ہے یعنی ہر وہ کام کرنے کی آزادی جو انسان چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چونکہ اس آزادی کی کوئی حد نہیں ہے اس لیے انسان اپنی آزادی کی قیمت پر دوسروں کے حقوق چھیننے کی کوشش کرے گا۔ وہ جمہوریت اور کمیونزم کی عملی مثال پیش کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان سیاسی افکار سے ہی 'مسابقت' اور 'بے لگام آزادی' کے تصور نے جنم لیا۔

مزید یہ کہ ان ممالک کے ذریعہ دوسری قوموں کا استحصال ان خیالات کا عملی مظہر ہے۔ ہندو معاشرے کو اس طرح کے تصورات سے پاک رکھنے کے لیے، وہ خود کو پہچاننے (Self-Realization) اور اس طرح کے نظریات کو رد کرنے کے لئے عملی طور پر یوگا کو اپنانے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ خود کو روکنے (Self-Restraint) کے جذبے کو جنم دینے کے لئے اجداد کے ذریعہ چتورویدھا پروشارتا کے تصور کی پیش کش کی گئی تھی۔ وہ زندگی کے چاروں اہداف یعنی دھرم، ارتھا، کاما اور موکشا کی وضاحت کرتا ہے جو انسان کو خود سے متوازن اور ہم آہنگ زندگی گزارنے میں مدد کرتے ہیں۔ اس طرح کے مشن کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اس نے مزید کہا کہ آر ایس ایس کی کوششیں بالآخر جدید معاشرے کو اس طرز زندگی میں پناہ لینے کے لیے رہنمائی کریں گی۔

وقت کے چیلنجز کو بیان کرتے ہوئے اس نے جمہوریت اور کمیونزم کو سب سے بڑا اور خطرناک چیلنج قرار دیا۔ اس نے وضاحت کی کہ جمہوریت اپنے سرمایہ دارانہ نظام سازی سے انفرادیت کا باعث بنی ہے اور لوگوں نے اپنے مفادات کے لئے دوسروں کے حقوق چھین لئے ہیں۔ اس سے طبقاتی جنگیں ہوئیں اور معاشرے کو دو طبقات "haves and have nots" یعنی دولت مند اور غریب میں تقسیم کر دیا گیا۔ وہ آگے پرزور انداز میں کہتا ہے کہ اس کے نتیجے میں، کمیونزم عظمت کی طرف گامزن ہوا اور دولت کو یکساں طور پر تقسیم کرنے کی آڑ میں، اس نے تمام لوگوں کی دولت کو پامال کیا۔

اس کا مزید کہنا ہے کہ جمہوریت جو انفرادیت پر مبنی تھی، اجتماعیت کی طرف بڑھ رہی ہے جب کہ کمیونزم کا عمل اس کے برعکس ہے۔ ہندوؤں کو اس مسئلے سے نمٹنے کے طریق کار کی پیش کش کرتے ہوئے، اس کا کہنا ہے کہ وہ 'برابری' پر نہیں 'ہم آہنگی' پر یقین رکھتے ہیں۔ اس نے وضاحت کی کہ دھرم کا تصور لوگوں کے مابین اندرونی بندھن کو تقویت دیتا ہے اور ان کو ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس نے اس شلوک کا حوالہ دیا کہ ''کھانا، نیند، خوف اور ہوس جانور اور انسان دونوں میں Common ہیں لیکن انسان کی خاص صفت دھرم ہے، اس کے بغیر وہ کسی جانور سے بہتر نہیں ہے۔''

آزادی کے بعد ہندوستان نے جمہوری ملک بننا پسند کیا، پس گولوالکر نے اسے قبول تو کیا لیکن انتہائی تنقیدی طور پر۔ چونکہ وہ مادیت کے تصور کے سخت خلاف تھا، اس لیے اس نے اس کی بنیاد پر ملک کے جمہوری نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور پنچایت راج کی طرف داری کی، جو ایک قدیم نظام حکمرانی ہے اور دیہی علاقوں میں پہلے سے رائج تھا۔ اس نے جمہوری نظام کی کچھ عملی خرابیاں واضح کیں اور استدلال کیا کہ اس سے نااہل حکمراں پیدا ہوتے ہیں جن کے پاس ملک کو چلانے کے لئے مناسب علم نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت مروجہ سوشلزم کے حل کے طور پر، اس نے آرتھ شاستر کے طریقہ کار کو اپنانے پر زور دیا۔ اس نے اصرار کیا کہ انارکیزم، سنڈیکلزم اور کمیونزم تو سوشلزم کی ہی دوسری شکلیں ہیں۔ سوشلزم کی آندھی اور اس کے

نتیجے میں سیاسی طاقتوں کے ہونے والے بکھراؤ (جس کے نتیجے میں وہ انارکی کو جنم دے گا) کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے اعتدال وتوازن کا ہندوطریقۂ کار اختیار کرنے پرزور دیا کہ آتماکی شانتی پر انفرادی طور پرتوجہ دینی چاہیے اورخواہشات و قربانیوں کا متوازن استعمال کرنا چاہیے۔

قومی اہداف کے حصول کے دوران، گولوالکر ہندوؤں کے کچھ گروہوں پرتنقید کرتا تھا جو رَدِ عمل کےطور پرتنظیم سازی کررہے تھے۔وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر و رسوخ پرتنقید کرتا تھا، پس جب اس سے اکثر پوچھا جاتا تھا کہ کیا اس کا مشن ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر و رسوخ کے رد عمل کےطور پر ہے؟ تووہ سیدھے جواب میں کہتا تھا کہ اگر پیغمبر اسلام اسلام نہ لاتے پھر بھی وہ وہی مشن شروع کرتا کیونکہ اس کا مشن ہندوؤں کو ان کی آبائی بنیادوں پرتنظیم نو کرنا تھا۔اس کا خیال ہے کہ ہندوگائے کی حفاظت اس لیےنہیں کرتے ہیں کہ مسلمان ان کو مار دیتے ہیں بلکہ عقیدت کے لئے ایک نشان کےطور پرایسا کرتے ہیں۔

گولوالکر کا خیال ہے کہ آبائی ہندو آج کے مادیت پسند افراد سے زیادہ کامیاب لوگ تھے۔ اس نے کہا کہ موکشا کے حصول کی وجہ سے ان کا خدا سے براہ راست رابطہ تھا۔ان خصوصیات کی وجہ سے،گوالکر کا خیال ہے کہ وہ انتہائی اخلاقی، روحانی اورفلسفیانہ لوگ تھے۔باقی لوگوں کے بارے میں، اس کا کہنا ہے کہ جولوگ صرف کھانے پینے کے لیے زندہ رہتے ہیں وہ محض درندے ہیں۔

اس کا کہنا ہے کہ سنگھ کا 'قومی وقار کا نظریۂ مادی ترقی پرنہیں بلکہ روحانیت یعنی الوہیت سے براہ راست تعلق پرمبنی ہے۔دھرم کے کردار پر زور دیتے ہوئے اس نے کہا کہ بیرونی رسومات جیسے مقدس بینڈ پہننا، بالوں کا ٹکڑا رکھنا وغیرہ صرف ذاتی عقیدے تک ہی محدود ہیں، یہ اصلی دھرم نہیں ہے۔اصل دھرم دو چیزوں پرمبنی ہے؛ انسان کے ذہن کی باز آبادکاری ویکسوئی اور معاشرے میں باہمی تعاون وہم آہنگی کے لئےمختلف افراد کا ایڈجسٹمنٹ۔لیکن یہ نقطہ نظر دھندلا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ زیادہ تر لوگ مختلف "isms" کی طرف مائل ہیں جوانہیں مادیت پسندانہ طرز زندگی کی طرف لے جارہے ہیں۔اس کا خیال ہے کہ یہ طرز زندگی معاشرتی دیوالیہ پن کا باعث ہے۔اس نے امریکیوں کی مثالیں دی ہیں کہ ان میں سے لاکھوں افراد ٹھیک سے سونے کے لیے نیند کی گولیوں پر انحصار کرتے ہیں۔ جہاں تک ہندوؤں کی موجودہ نسل کو زندہ کرنے کے لئے کوششوں کا سوال ہے، تو اس نے کہا کہ انہیں چوکس، منظم اور طاقتور بنانا چاہیے۔نیز نڈر ہونے کے بارے میں بھی اس نے بات کی اور کہا کہ 'نڈر ہیروز کی پہلی خوبی ہے اورتمام عمدہ خوبیوں کا نقطہ آغاز ہے۔'' اس نے کہا کہ خدا کی عبادت کے لئے بہادری کا جذبہ ضروری ہے۔

وہ کہتا ہے کہ لوگ عام طور پر ہندوؤں کی تعریف (definition) کے بارے میں پوچھتے ہیں چناں چہ ہندوازم کی متحرک شکل کی اس نے یہ وضاحت کی کہ چونکہ ہندوزمین کے سب سے قدیم لوگ ہیں، اس لیے ان کی تعریف بھی اس طرح نہیں کی جاسکتی جس طرح حقیقت کی تعریف نہیں کی جاسکتی کیونکہ الفاظ حقیقت کے بعدوجود میں آئے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوؤں نے عوام کومناسب طرز زندگی فراہم کیااورانہیں ''روشن خیال'' یا'' آریہ'' کہا گیااور باقی لوگ ''ملیچھا'' کہلائے۔

ان کے مطابق ہندووہ ہیں جن کی زندگی ایک مقصد کے ساتھ گزرتی ہے لیکن بدقسمتی سے انہوں نے اسےکھودیااورمغربی ثقافت میں گھل مل گئے۔ اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ان کو اپنی احساس کمتری کوختم کرنے اور قدیم قومی ثقافتی خطوط پر دوبارہ متحد ہونے کی ضرورت ہے۔

(☆☆☆)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مسلمانانِ ہند کی موجودہ صورتِ حال اور مولانا مودودیؒ کی پیشین گوئی

ڈاکٹر محمد مبشر

بھارت کی تحریک آزادی کی لڑائی یہاں کے تمام لوگوں نے مشترکہ طور پر لڑی۔ لیکن اس لڑائی کے درمیان میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ملک تقسیم ہوگیا۔ تحریک آزادی کی لڑائی میں مختلف گروہوں نے اپنے مقام کو ذہن میں رکھتے ہوئے حصہ لیا۔ کانگریس کا اپنا مقصد تھا تو صد مسلم لیگ بھی اپنا ایک مقصد رکھتی تھی۔ مولانا مودودی نے جہاں کانگریس اور اس کی طرف بلانے والوں کو غلط ٹھہرایا وہیں مسلم قومیت کی طرف بلانے والوں پر بھی تنقید کی اور یہاں بسنے والے مسلمانوں کی رہ نمائی اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ کی۔ خورشید احمد صاحب کے الفاظ میں: ”مولانا مودودیؒ نے ملت کو ان اجتماعی مسائل کا احساس بھی دلایا جن کے نرغے میں وہ گھر گئی تھی، ان خرابیوں کی نشان دہی بھی کی جو اس کی سیاسی جدوجہد کو کم زور تر کر رہی تھی اور ان خطوط کو بھی واضح کیا جن پر اجتماعی جدوجہد کو منظم کرکے وہ آزادی اور اسلام دونوں کو حاصل کرسکتی تھی۔“

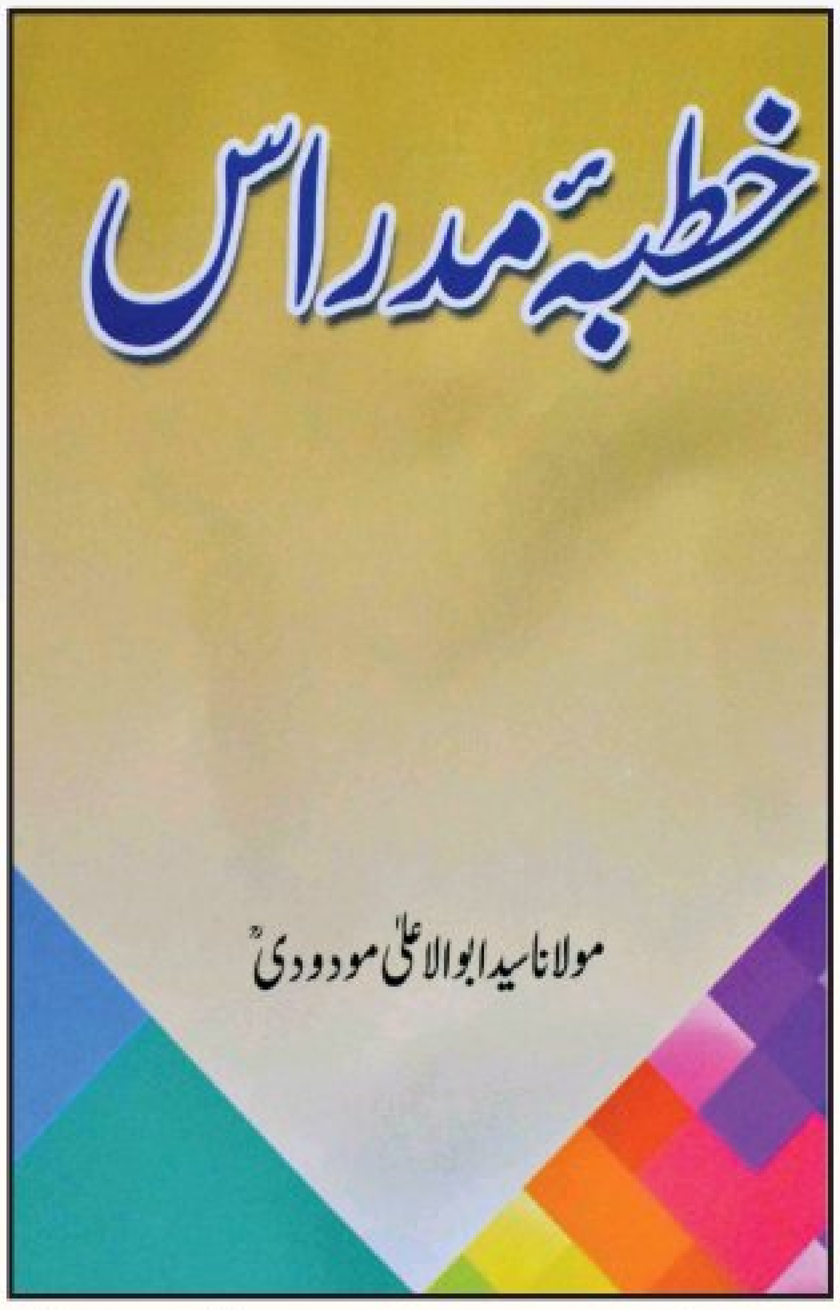

مولانا نے 26/اپریل 1947ء کو جماعت اسلامی کے اجتماع مدراس میں ایک تاریخی خطاب پیش کیا۔ مولانا کی بابصیرت نگاہیں ان حالات کو دیکھ رہی تھیں جو آج کے بھارت میں پیش آرہے ہیں۔ انھوں نے اپنے اس تاریخی خطاب میں تقسیم ہند ہونے کے بعد ملک میں پیش آنے والے تمام واقعات کا احاطہ کیا اور ایک طرح سے پیش گوئی کی کہ اس ملک میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ کیسے حالات و وجوہات پیش آنے والے ہیں۔ مولانا کی زبان سے نکلے وہ تمام الفاظ آج بھارت میں چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ ہم یہاں ان حالات کا تجزیہ کریں گے جن کی پیش گوئی مولانا نے 73/سال قبل ہی کردی تھی۔

ایسے وقت میں جب لوگ ہند کی سیاست کو جمہوری اصولوں پر قائم کرنا چاہ رہے تھے مولانا نے ان ہی جمہوری اصولوں کو مہلک قرار دیا تھا۔ کیوں کہ جمہوریت میں جو کچھ ملتا ہے اکثریت کو ملتا ہے اور اقلیت اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ پاتی ہے۔

”جن جمہوری اصولوں پر ایک مدت سے ہندوستان کا سیاسی ارتقاء ہو رہا تھا اور جنہیں خود مسلمانوں نے بھی قومی حیثیت سے تسلیم کرکے اپنے مطالبات کی فہرست مرتب کی تھی، انہیں دیکھ کر بیک نظر معلوم کیا جاسکتا تھا کہ ان اصولوں پر بنے ہوئے نظام حکومت میں جو کچھ ملتا ہے اکثریت کو ملتا ہے۔ اقلیت کو اگر ملتا بھی ہے تو خیرات کے طور پر دست نگر ہونے کی حیثیت سے، نہ کہ حق کے طور پر باحریف و مدِ مقابل اور شریک کی حیثیت سے۔ یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت تھی مگر مسلمانوں نے اس کی طرف سے جانتے بوجھتے

آنکھیں بند کیں۔''(خطبہ مدراس 9-10)

مولانا کا خیال تھا کہ جمہوری اصولوں پر جو ملک کھڑا ہوتا ہے اس میں اقلیت اکثریت میں ضم ہو جاتی ہے اور اقلیت اپنی جدا گانہ حیثیت کھو دیتی ہے اور ان کو اندیشہ بھی تھا کہ یہی کچھ نئے بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''جب جمہوری اصول پر اہل ملک کی آزاد حکومت بن جائے گی تو ہندوستان اکثریت کی قومی اسٹیٹ بن کر رہے گا اور اس میں کسی اقلیت کی جدا گانہ قومیت اور مخصوص قومی مطالبات کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی''(صفحہ 11)

ہندوؤں کے قومی اسٹیٹ میں مسلمانوں کو جس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کے سامنے جو راستے پیش کیے جائیں گے مولانا کے نزدیک بنیادی طور پر وہ تین ہوں گے:

(1) اپنی جدا گانہ قومیت کے دعوے اور اس کی بنا پر مستقل حقوق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر اسٹیٹ کی قومیت میں جذب ہو جائے۔

(2) ہر قسم کے حقوق سے محروم کر کے شودروں اور اچھوتوں کی سی حالت میں رکھی جائے۔

(3) اس پر استیصال کا پیہم عمل جاری کر دیا جائے یہاں تک کہ قومی اسٹیٹ کے حدود میں اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

مولانا کے خیال کے مطابق ''یہ لازمی نتیجہ ہے مغربی طرز کے ایک جمہوری نظام میں قومیت کی اساس پر اپنی سیاسی پالیسی کی عمارت اٹھانے کا۔''

مولانا جس طرح نظامِ حکومت کے طور پر مغرب کے جمہوری اصولوں پر تنقید کر رہے تھے اسی طرح تقسیم ملک کا اصول کہ ''جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور تم محکوم ہو اور جہاں تم اکثریت میں ہو وہاں تم حاکم اور ہم محکوم'' کی بھی مخالفت کر رہے تھے۔ کیوں کہ ان کے مطابق اس اصول کے نتیجے میں جدید بھارت میں اقلیت میں رہنے والے مسلمان ''بہ حیثیت ایک قوم کے محکوم ہوں گے اور محکوم بھی اس اکثریت کے جس سے وہ قومی جنگ لڑ رہے ہیں۔''

قومی اسٹیٹ میں مسلمانوں کی جس صورتِ حال کا اندازہ مولانا نے لگایا تھا تقریباً مسلمان انہیں حالات سے گزر رہے ہیں، پھر بھی لیکن مولانا کو امید تھی کہ ایسے حالات میں بھی مسلمان سپر ڈالنے پر راضی نہ ہوں گے اور وہ اس جذب و انجذاب کی مزاحمت کریں گے۔ لیکن ایسی صورتِ حال میں مزاحمت بھی ہلاکت و تباہی لے کر آئے گی جس کی وجہ بھی مولانا کے مطابق ''قومی جمہوری اسٹیٹ'' ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اکثریت کے قومی جمہوری اسٹیٹ میں رہ کر اگر اقلیت قومی جنگ لڑے گی تو ہر طرف سے پسی اور کچلی جائے گی، زندگی کے ہر شعبہ سے نکالی جائے گی، ہر قسم کے حقوق سے محروم کی جائے گی، اچھوتوں سے بھی بدتر حالت میں گرا دی جائے گی اور پھر بھی اگر اس کی آواز اٹھتی رہی تو اسے اس طرح سے مٹایا جائے گا کہ اس پر نہ زمین روئے گی نہ آسمان۔''(صفحہ ۱۴)

مندرجہ بالا جس صورتِ حال کی پیشین گوئی مولانا اس زمانے میں کر رہے تھے، لوگ ان کو بعید سمجھ رہے تھے اور ان حقائق سے اپنی آنکھیں موندے ہوئے تھے جس کی وجوہات الگ الگ ہیں۔

اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے مسلمان جن تین راستوں کا انتخاب کریں، مولانا کے نزدیک یہ تھے:

(1) ایک یہ کہ 'نیشنلسٹ' مسلمانوں کی پالیسی قبول کر کے ہندو قومیت میں جذب ہونے پر تیار ہو جائیں۔

(2) دوسرے یہ کہ ''مسلم قوم پرستی'' کی موجودہ روش پر بدستور چلتے رہیں یہاں تک کہ مٹ جائیں۔

(3) تیسرے یہ کہ قوم پرستی اور اس کے طور طریقوں اور اس کے دعوؤں اور مطالبوں سے توبہ کر کے اسلام کی رہ نمائی قبول کریں جس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی قومی اغراض کے لیے سعی و جہد کرنے کے بجائے اپنی تمام کوششوں کو صرف اسلام کی اصولی دعوت پر مرکوز کریں اور من حیث القوم اپنے اخلاق، اعمال اور اجتماعی زندگی میں اس کی شہادت دیں۔

مولانا کے نزدیک اس تیسرے طریقہ کے علاوہ کوئی اور راہِ نجات ہند میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے نہیں ہوسکتی:

''یہی آخری راہ مسلمانوں کے لیے پہلے بھی راہِ نجات تھی اور اب بھی اسی میں ان کے لیے نجات ہے۔ میں کئی سال سے ان کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں ـــــ لیکن اس وقت میری دعوت انہیں دشمن کی دعوت یا ایک دیوانے دوست کی دعوت محسوس ہوئی۔ اب واقعات انہیں گھیر کر ''چار مسلمان شو'' کے مقام پر خود کھینچ لائے ہیں۔ اب ان کے لیے زندگی کی راہ صرف ایک ہی رہ گئی ہے اور وہ اسلام کی اصلی اور حقیقی اور مخلصانہ اسلام کی راہ

ہے۔دوسری راہیں زندگی کی نہیں بلکہ خودکشی یا سزائے موت یا طبعی وفات کی راہیں ہیں۔"

ہندوستان کی تقسیم کے بعد مولانا نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ جلد ہی مسلمانوں کو اپنی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہوجائے گا۔وہ اس حالت کو بہت خطرناک تصور کرتے تھے۔یہاں تک تحریک خلافت کی ناکامی سے بھی زیادہ۔ایسی صورت میں اگر مسلمانوں کی صحیح رہ نمائی نہیں کی گئی تو جمود و انتشار کی کیفیت ان پر طاری ہوجائے گی چناں چہ مولانا کی یہ پیشین گوئی آج پوری ہوتی ہوئی معلوم ہے،جس کو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

"اپنے اس وقت تک رہ نماؤں سے مایوس ہوکر کوئی صحیح رہ نمائی اور کوئی شعاع امید اگر مسلمانوں نے نہ پائی تو گھبراہٹ اور طوائف الملوکی مسلط ہوجائے گی۔کوئی "نیشنلسٹ" مسلمانوں کی طرف دوڑے گا،کوئی کمیونسٹ گروہ کی طرف لپکے گا،کوئی ہجرت کی تیاری کرے گا،کوئی مایوسی کی حالت میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے گا اور کوئی دل برداشتگی کے عالم میں محض احمقانہ جھنجھلاہٹ کی بنا پر،ہاری ہوئی قومی جنگ کو پھر تازہ کرکے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ اپنے ہزاروں لاکھوں بے گناہ بھائیوں پر تباہی کا طوفان لائے گا۔" (صفحہ 19)

مولانا نے مستقبل قریب کے سیاسی نظام کی حقیقت کے بارے میں بتایا کہ

"اب جو سیاسی نظام بنایا جارہا ہے اس کی تصنیف میں کاغذ پر تو بلاشبہ جمہوریت، اجتماعی انصاف (Social Justice) مساوات اور مواقع کی یکسانی (Equality Of Opportunities) کے بڑے بڑے نفیس تصورات بہت ستھری اور دل کش زبان میں رقم کیے جارہے ہیں،لیکن ظاہر ہے کہ ان الفاظ کی اصل قیمت ان کے تلفظ میں نہیں ان پر واقعی عمل درآمد میں ہے۔عملاً جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے،کہ اس سیاسی نظام کی تشکیل،تعمیر اور تنقید کے سارے کام پروہی طبقے حاوی ہیں،جو سماجی اور معاشی نظام کی اوپر والی سیڑھیوں پر تشریف فرما ہیں۔۔۔نہیں،بلکہ پیدا ہوئے ہیں۔۔۔اور تجربہ نے ہمیں بتادیا ہے،کہ ان طبقوں کو خدا نے سب کچھ دیا ہے، مگر بڑا دل ،وسیع ظرف اور فراخ حوصلہ نہیں دیا۔ان کی تنگ دلی اب تک بھی ہندوستان کو بہت کچھ نقصان پہنچا چکی ہے، اور آئندہ بھی اسے دیکھتے ہوئے مشکل سے یہ توقع کی جاسکتی ہے، کہ یہ لوگ اپنی سیاسی طاقت کو واقعی انصاف قائم کرنے میں استعمال کریں گے۔"

(ص،۲۵،۲۶)

ایسی نازک صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے، مسلمانانِ ہند کو یاس انگیز پوزیشن سے نکالنے کے لیے اور ان کے اندر صحیح رہ نمائی پیدا کرنے کے لیے مولانا ایک منظم گروہ کو ضروری خیال کررہے تھے۔وہ کہتے ہیں:

"اس نازک وقت کے لیے ابھی سے ایک منظم گروہ تیار رہنا چاہئے جو ہوش میں آنے والے مسلمانوں کے سامنے بروقت صحیح راہِ عمل پیش کرسکے،ان کے مائل بانتشار قوتوں کو غلط کاریوں اور خام کاریوں سے بچا کر ایک روشن نصب العین کے گرد سمیٹ سکے اور ان کو یاس کے بعد حقیقی کام یابیوں کی بشارت دے سکے۔میری دعا ہے کہ آپ ہی کا یہ گروہ اس خدمت کے انجام دینے کی توفیق پائے اور اس وقت کے آنے سے پہلے اس حد تک طاقت ور،منظم اور مستعد ہوجائے کہ یہ خدمت انجام دے سکے۔"

مولانا نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے یہاں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کو چار اہم،ضروری اور بنیادی کام بتائے، جن پر اب تک خاطر خواہ توجہ یہاں کے عوام وخواص میں سے کسی نے نہیں دی یا بہت کم دی۔اگر تجزیہ کریں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ بھارت میں موجودہ حالات کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ ان اہم کاموں سے لاپروائی ہے۔مولانا فرماتے ہیں:

"اب میں آپ کو مختصر طور پر بتاؤں گا کہ ہندوستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔

(1) سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے،جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے، میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنی قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے لڑتے رہیں۔مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں،بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہے۔اب یہ نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل کو بالکل بدل دیں۔یہ اسمبلیوں میں نمائندگی کے تناسب کا سوال یہ

انتخابات کی دوڑ دھوپ، یہ ملازمتوں کے لیے کشمکش ،اور یہ دوسرے قومی حقوق اور مطالبوں کے لیے چیخ و پکار، آئندہ دور میں لاحاصل ہوگی، یہ اور نقصان دہ بھی۔

(2) دوسرا اہم کام ہمارے لیے یہ ہے، کہ ہم مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر اسلام کا علم پھیلائیں، ان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا عام جذبہ پیدا کردیں اور ان کی اخلاقی و تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اس حد تک اصلاح کرلیں، کہ ان کے ہمسایہ غیر مسلموں کو خود اپنی سوسائیٹی کی بہ نسبت ان کی سوسائیٹی صریحاً بہتر محسوس ہونے لگے، اور ان میں سے جو لوگ بھی اس سوسائیٹی میں شامل ہونے کے لیے آمادہ ہوں خواہ وہ کسی طبقے کے ہوں، ان کو بالکل مساوایانہ حیثیت سے اپنے اندر لیا جاسکے۔

(3) تیسرا ضروری کام یہ ہے، کہ ہم اس ملک کے مسلمانوں کی ذہنی طاقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنی اس دعوت کے لیے فراہم کردیں، اور اس سے باقاعدگی کے ساتھ کام لیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے ان مقاصد میں ناکام ہوچکا ہے، جن پر اس نے اب تک نظر جما رکھی تھی۔ اس ناکامی کا شعور حاصل ہوتے ہی اس پر یاس طاری ہونی شروع ہوجائے گی اس موقع پر اگر ان کے سامنے ایک روشن نصب العین اُمیدوں اور بشارتوں کے ساتھ آئے، تو وہ ان کے بڑے حصے کی توجہات اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اس طرح جیسے جیسے ہماری دعوت کو یہ طاقت حاصل ہوتی جائے ہم چاہتے ہیں، کہ اسے ان نتیجہ خیز کاموں پر لگایا جاتا رہے، جو اسلامی انقلاب کو قریب تر لاسکیں۔ مثلاً ہم مسلمانوں کی اخبارنویسی کے موجودہ رُجحانات کو بالکل بدل دینا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ بہتر قسم کے اہلِ قلم اب انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کریں، اور ان میں حقوق کی چیخ پکار ملازمتوں کے فی صدی تناسب پر شور وغل اور محکموں میں ہندوگردی پروا ویلا کرنے کے بجائے رائج الوقت نظام پر اصولی تنقید کریں اس کی خامیوں کا ایک ایک پہلو نمایاں کرکے پبلک کو دکھائیں۔

(4) چوتھا ضروری کام یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن اور وہ تمام لوگ جو آئندہ ہماری تحریک سے متاثر ہوں، ہندوستان کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریر و تقریر کی قابلیت بہم پہنچائیں، جو آئندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں۔ نیز اس امر کی انتہائی کوشش کریں کہ ان زبانوں میں جلدی سے جلدی اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کردیا جائے۔"

(ص ۳۱ تا ۳۶)

تقسیم ہند سے ٹھیک پہلے خطبۂ مدارس میں مولانا نے جن حالات کے رونما ہونے کی پیشین گوئی کی تھی آج وہ پوری ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ قومیت اور جمہوریت کے اصولوں پر بننے والی ریاست میں اقلیت کا جو حشر ہوتا ہے اس سے ہم گزر رہے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ایک طرف مولانا کی وہ بصیرت تھی جو آئندہ آنے والے حالات کو دیکھ رہی تھی اور دوسری طرف ہماری بصیرت ہے کہ ان نازک و سنگین حالات سے گزرنے کے باوجود ہم بےحس و لا پرواہیں۔ ہم انہیں گڑھوں کے اندر گرتے جارہے ہیں جن میں گرنے کا خدشہ مولانا نے ظاہر کیا تھا اور اسی روشنی سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں جو ہماری راہِ نجات تھی یعنی اسلام۔ مسلمانانِ ہند ابھی تک حالات کا تجزیہ اس انداز سے کرنے سے قاصر ہیں جس انداز سے مولانا کررہے تھے۔ ہم انہیں چیزوں میں راہِ نجات تلاش کررہے ہیں جو ہماری ذلت و رسوائی کی اصل سبب ہیں یعنی قومیت اور مغربی طرزِ جمہوریت۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اصل راہِ نجات اسلام کی طرف پلٹیں۔

☆☆☆

ایمان کی دولت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
راضی جو نہیں رب تو بھلا کچھ بھی نہیں ہے

غیرت نے پکارا ہے کہ میدان میں آؤ
جینے کا مزہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

ظلمت کو مٹانا ہے تو جل شمع کے مانند
ظلمات کے شکوے سے ملا کچھ بھی نہیں ہے

ظالم تو مٹانے پہ تلے ہیں ہمیں لیکن
ظالم کو مٹانے کی صدا کچھ بھی نہیں ہے

مولی کی رضا پر ہی چلو تم بھی رفیق اب
منزل ہے وہی اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

محب اللہ رفیقؔ

دہلی میں گجرات کا رِی پلے

م۔افضل

دہلی میں مذہبی منافرت کا جو ننگا کھیل کھیلا گیا اس نے پورے شمال مشرقی دہلی کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے، وہاں درندگی اور حیوانیت کا جو مظاہرہ ہوا اس نے انسانی بستیوں کو شمشان میں تبدیل کر دیا ہے۔گھروں کو ہی نہیں بلکہ کئی مقامات پر تو گھر کے مکینوں کو بھی زندہ جلائے جانے کی افسوسناک خبریں ہیں۔دکانوں، عبادت گاہوں اور درگاہوں کو بھی نہیں بخشا گیا، مسلسل تین روز تک فسادیوں کو کھلی چھوٹ ملی اور وہ سڑکوں وگلیوں میں بے گناہوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بناتے رہے۔اس پورے عرصہ میں پولیس نے یا تو خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا یا پھر بلوائیوں کا ساتھ دیتی نظر آئی۔

2002 میں گجرات میں بھی یہی ہوا تھا چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ دہلی میں جو کچھ ہوا، یہ ایک طرح سے گجرات کا رِی پلے تھا۔جس طرح وہاں پولیس کو کہا گیا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیں، ٹھیک اسی طرح دہلی میں بھی جب مارکاٹ اور آتش زنی کا سلسلہ شروع ہوا تو پولیس بے حس بنی رہی بلکہ کئی جگہ تو وہ بلوائیوں کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔ ایسے کئی ویڈیوز شوشل میڈیا پر وائرل ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ان میں سے کچھ ویڈیوز میں پولیس کو وہاں نصب سی سی ٹی وی کیمروں کو توڑتے ہوئے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔آخر پولیس ایسا کیوں کر رہی تھی؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی حرکتوں کا ثبوت کیمروں میں قید ہو۔ان ویڈیوز کو جن میں سے کئی ویڈیوز کو بعض ٹی وی چینلوں نے دکھایا بھی ہے، دیکھ کر ان فسادات کی کرونولوجی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ ان فسادات کا تقابل 1984 کے فسادات سے کیا جاسکتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ تب ایک دوسرے اقلیتی فرقے کے خلاف بربریت کا مظاہرہ پورے ملک میں ہوا تھا مگر یہ فسادات صرف ایک بڑے علاقے تک محدود تھے۔دہلی میں ابھی 8 فروری کو ہی الیکشن ہوئے تھے جس میں بی جے پی اور اس کے ہمنواؤں نے اپنی مسلسل اشتعال انگیزی اور زہریلے بیانات سے فساد برپا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔الیکشن کے دوران بی جے پی کے ہر لیڈر نے ایک مخصوص مذہبی اقلیت کے خلاف اکثریت کو صف بندی کرنے کی غرض سے اکسانے والی تقریریں کی تھیں مگر تب دہلی میں امن رہا یہاں تک کہ کسی علاقہ میں معمولی کشیدگی بھی نہیں پیدا ہوئی۔پھر ایسا کیا ہوا کہ نتائج آنے کے چند روز بعد ہی لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے؟ یہ ایک بڑا سوال ہے اور اس سوال کے جواب میں ہی حالیہ فسادات کا خوفناک راز بھی چھپا ہوا ہے۔

ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ دہلی کو جلانے کے لئے اسی وقت کا انتخاب کیوں ہوا جب امریکہ کے صدر ڈونالڈ ٹرمپ ہندوستان کے دورہ پر آرہے تھے۔تو کیا اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟ کیا یہ فسادات منصوبہ بند تھے؟ اور کیا کسی بااثر شخص کے اشارے پر یہ سب کچھ ہوا؟ یہ سوالات بہت اہم ہیں۔جو کچھ ہوا اسے اتفاق پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ سی اے اے، این پی آر اور این آرسی کے خلاف احتجاج پچھلے کئی مہینوں سے چل رہے ہیں، نہ صرف شاہین باغ میں بلکہ اس کی طرز پر پورے ملک میں پر امن احتجاجات ہو رہے ہیں۔ شمال مشرقی دہلی میں بھی کئی جگہ احتجاج ہو رہے تھے، مگر ان کی وجہ سے کبھی شہر کا فرقہ وارانہ ماحول خراب نہیں ہوا، لیکن ٹرمپ کی آمد سے ایک روز قبل اپنے زہریلے بیانات کے لئے بدنام بی جے پی کے ایک ناکام لیڈر کا جعفر آباد کی طرف جانا اور ڈی ایس پی و پولیس کی بھاری موجودگی میں اس کا مظاہرین کو دھمکی دینا ایک بڑی سازش کا پتہ دیتا ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ پولیس نے اس دھمکی کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا۔ دوسری طرف اس دھمکی کے بعد فرقہ پرست طاقتوں نے ٹرمپ کے واپس جانے کا انتظار بھی نہیں کیا اور دوسرے ہی دن سے وہاں مارکاٹ اور آتش زنی کا سلسلہ شروع ہوگیا، یہاں تک کہ جس روز پوری سرکار راجدھانی میں ٹرمپ کے استقبال میں مصروف تھی، شمال مشرقی دہلی میں فسادیوں کے جھنڈ کے جھنڈ لوگوں کو مار رہے تھے اور گھروں اور دوکانوں میں آگ لگا رہے تھے، تب بھی سرکار نے بے حسی کا مظاہرہ کیا اور پولیس حسب معمول فسادیوں کی معاونت میں مصروف رہی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ منافرت کا جو بارود ان علاقوں میں منصوبہ بند طریقہ سے کافی دنوں سے بچھایا جارہا تھا، کپل مشرا کی دھمکی نے اس میں آگ لگانے کا کام کیا۔

پولیس اور انتظامیہ کے لوگ اگر غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرتے تو اس آگ کو پھیلنے سے روکا جاسکتا تھا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر یہ ہوا کہ یہ آگ رفتہ رفتہ پورے شمال مشرقی دہلی میں پھیلتی گئی۔ تین روز تک بلوائیوں کو کھلی چھوٹ ملی اور وہ قتل وغارت گری میں مصروف رہے۔ اب تک کوئی ایک بھی ایسا ویڈیو منظر عام پر نہیں آیا جس سے یہ پتہ چل سکے کہ پولیس نے کہیں فسادیوں کو روکنے کی کوشش کی ہو، یہاں تک کہ بلوائیوں کو ڈرانے کے لئے اس نے کوئی ہوائی فائرنگ بھی نہیں کی۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ محض ایک اتفاق ہے؟ ایسے ان گنت ویڈیوز بھی وائرل ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کچھ لوگ بیٹھ کر ان فسادات کی باقاعدہ نگرانی اور فسادیوں کو وہیں سے ہدایات بھی جاری کر رہے تھے۔

ان فسادات کے حوالہ سے میری کئی اہم شخصیتوں اور ماہرین سے گفتگو ہوئی اور ان سب نے یہ اعتراف کیا کہ یہ فسادات منصوبہ بند تھے۔ اب بات وہیں لوٹ کر آجاتی ہے کہ آخر ان فسادات کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا؟ سچائی یہ ہے کہ شاہین باغ اور اس کی طرز پر ملک بھر میں جو احتجاج ہو رہے ہیں ان سے کہیں نہ کہیں مودی سرکار خوف زدہ نظر آتی ہے۔ اب چونکہ شاہین باغ کے ساتھ ساتھ دہلی کے دوسرے کئی علاقوں میں بھی مہینوں سے احتجاج ہو رہے تھے اور اس کی خبریں اخبارات میں تواتر کے ساتھ چھپ رہی تھیں اس سے یہ لوگ گھبرا گئے۔ چنانچہ ان فسادات کے ذریعہ اس طرح کے احتجاجات کو ختم اور مظاہرین کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جعفرآباد میں ہونے والا احتجاج بھی شاہین باغ کی طرح ایک بڑا احتجاج بن چکا تھا اس لئے ابتدا وہاں سے کی گئی۔ ادھر پچھلے ایک ہفتہ سے سی اے اے اور این پی آر کے خلاف ہونے والے احتجاجات کی خبروں کی جگہ اخبارات اور ٹی وی چینلوں پر فسادات کی خبریں اور رپورٹیں مسلسل اولیت پا رہی ہیں۔ غالباً فساد برپا کرنے والوں کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کی توجہ ان احتجاجات سے ہٹ جائے۔ ہوا بھی یہی، احتجاج کی خبروں کی جگہ اب لوگوں کی توجہ فسادات سے جڑی خبروں پر مرکوز ہوگئی ہے، اب شاہین باغ کے احتجاج کو بھی ختم کرانے کی سازش ہوسکتی ہے۔ اس تعلق سے ویڈیوز جاری کر کے کچھ لوگ دھمکیاں دے رہے ہیں مگر ان کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں ہورہی ہے۔ ان فسادات کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حالیہ الیکشن میں دہلی میں جو سماجی اور مذہبی اتحاد نظر آیا اسے بی جے پی اپنی تمام تر شرانگیزیوں کے باوجود توڑ نہیں سکی اور جس کی وجہ سے اسے شرمناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا، بعید نہیں ان فسادات کے ذریعہ اسے توڑنے کی سازش کی گئی ہو۔

اخبارات کی رپورٹیں یہ بتاتی ہیں کہ فساد برپا کرنے والے باہری تھے۔ انگریزی روزنامہ ٹائمس آف انڈیا نے اس سلسلہ میں اپنے نمائندوں کے حوالہ سے جو رپورٹیں شائع کی ہیں، ان میں بھی اس بات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نمائندوں نے متاثرہ علاقوں میں جاکر جب ہندوؤں اور مسلمانوں سے گفتگو کی تو انہوں نے ایک زبان میں یہی بات کہی کہ حملہ اور مارکاٹ کرنے والے ان کی بستی کے نہیں تھے تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فساد برپا کرنے کے لئے باہر سے لوگوں کو لایا گیا تھا اور کیا یہ پولیس کا فرض نہیں ہے کہ وہ ان کی شناخت کرے۔ لوگ اسے انٹیلی جنس کی ناکامی قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سرکار اور اس کی پوری مشینری کی ناکامی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب تک کسی کی جواب دہی طے نہیں ہوئی ہے۔ دہلی پولیس براہ راست وزارت داخلہ کو رپورٹ کرتی ہے اور اگر وہ ناکام ہوئی ہے تو اس کی ذمہ داری داخلہ سکریٹری اور وزیر داخلہ کو اخلاقی طور پر لینی چاہیے مگر شاید ان کے پاس وہ سیاسی اخلاق بھی نہیں بچا ہے جو انہیں اتنی بڑی انسانی تباہی پر شرمسار کر سکے، چنانچہ اب اس کی جگہ وزیر داخلہ ان

فسادات کاالزام اپوزیشن پارٹیوں پر لگا رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دہلی میں اپوزیشن میں تو بی جے پی ہی ہے۔کیا اس طرح کی باتیں وزیر داخلہ کی بوکھلاہٹ کا غماز نہیں ہیں؟!! امید افزا بات یہ ہے کہ ان بھیانک فسادات کے دوران بھی انسانیت اور ہندو مسلم اتحاد زندہ رہا۔ اخبارات کی رپوٹیں بتاتی ہیں کہ فسادات کے دوران جگہ جگہ ہندوؤں نے مسلمانوں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کو بچایا۔ اگر چہ متعدد مسجدوں اور درگاہوں کی بے حرمتی ہوئی ہے مگر ایسی بھی خبریں ہیں کہ بہت سے علاقوں میں ہندوؤں نے بلوائیوں سے مسجدوں کی حفاظت کی اور بہت سے مقامات پر مسلمانوں نے انسانی زنجیر بنا کر مندروں کی حفاظت کی۔ایسے بہت سے مسلمان اور ہندو ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کو بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی۔ مرنے والوں میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں اور دونوں کی املاک کو نقصان پہنچا ہے لیکن مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان زیادہ ہوا ہے۔

شاید فسادات برپا کرنے والوں کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کو اقتصادی ومعاشی طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے جس میں وہ کسی حد تک کامیاب رہے۔اب جانچ کی خانہ پری ہوگی اور ہمیشہ کی طرح ان فسادات کی ذمہ داری بھی مسلمانوں کے سر ڈال کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کر دیا جائے گا لیکن ان فسادات کے ذریعہ انسانیت کے بدن پر جو زخم لگائے گئے ہیں وہ شاید کبھی نہیں بھر سکیں گے۔

(☆☆☆)

تفریق دین وسیاست

مغربی جمہوریت جو حاکمیت ِجمہور اور سلطانی جمہور کی اساس پر قائم ہے۔ اس کے دو بنیادی ستون ہیں،ایک مذہب وسیاست کی جدائی اور تفریق ِدین کا تصور ہے، دوسرا وطنیت کا سیاسی تصور۔ ان دونوں موضوع پر بھی اقبال نے اپنے کلام میں روشنی ڈالی ہے۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ علامہ کے چند اشعار نقل کر کے ان کی توضیح کریں گے۔

دنیا میں کوئی اجتماعی نظام اس وقت تک پائیدار اور مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہوسکتا، جب تک وہ چند اخلاقی اقدار اور روحانی اصولوں پر قائم نہیں ہوتا۔ اخلاقی اقدار کے بغیر افراد کو بے راہ روی اور انتشار فکر وخیال سے بچایا نہیں جاسکتا اور ان میں کوئی جذبۂ باہمی نہ ہو تو صرف سیاسی قوت سے متحد اور ایک گروہ بنا کر رکھا نہیں جاسکتا، نیز حکومت کے عناصر داعیان بھی اخلاقی اصولوں کے پابند نہ ہوں تو پھر انہیں اختیار کے بے جا استعمال ،بلکہ ظلم وبے انصافی سے بھی کوئی روک نہیں سکتا، اسی لیے بادشاہت ہو، جمہوریت ہو دینی اور اخلاقی اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ ورنہ پھر حکومت کو چنگیزیت کے قالب میں ڈھل جانے سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی۔

جلال ِبادشاہی ہو، کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(بقیہ) طالبان۔امریکہ معاہدہ کے اہم نکات

معاہدے کے مطابق امریکا طالبان پر عائد پابندیاں ختم کرے گا اور اقوام متحدہ کی جانب سے طالبان رہنماؤں پر عائد پابندیاں ختم کرنے پر زور دے گا۔

معاہدے کے تحت افغان طالبان اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ افغان سرزمین امریکا اور اس کے اتحادیوں کیخلاف استعمال نہ ہو۔

دوحہ کے مقامی ہوٹل میں ہونے والی تقریب میں 50 ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

امریکی وزیر خارجہ مائیک پومپیو نے کہا کہ اس معاہدے سے افغانستان میں امن قائم ہوگا، اگر طالبان نے امن معاہدے کی پاسداری کی تو عالمی برادری کا ردعمل مثبت ہوگا۔انہوں نے کہا کہ امریکا طالبان مذاکرات کو کامیاب بنانے پر پاکستان کے شکر گزار ہیں، اسے کسی کی فتح قرار دینا مناسب نہ ہوگا، افغانوں کی فتح اس وقت ہوگی جب وہ امن اور خوشی سے رہ سکیں گے۔

تقریب سے خطاب میں قطر میں قائم طالبان کے سیاسی دفتر کے سربراہ ملا عبدالغنی برادر نے کہا کہ اسلامی امارات امریکا کے ساتھ معاہدے پر عمل درآمد کا عزم کیے ہوئے ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم تمام ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات کے خواہاں ہیں، تمام افغان گروپس کو کہتا ہوں کہ ایک مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اکٹھے ہوں۔

طالبان۔امریکہ معاہدہ کے اہم نکات

ترجمہ: وسیم عباسی

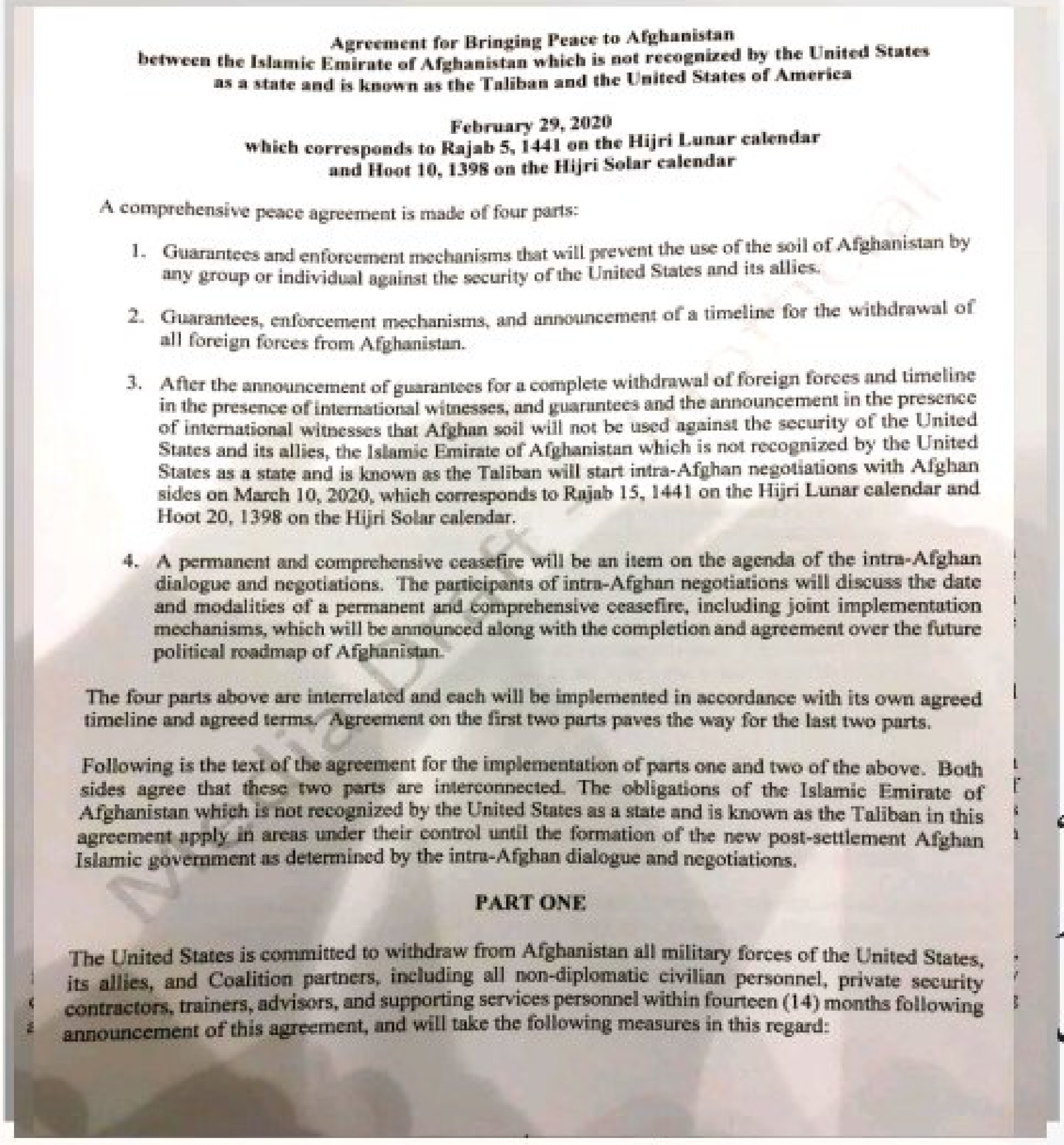

Agreement for Bringing Peace to Afghanistan
between the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban and the United States of America

February 29, 2020
which corresponds to Rajab 5, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 10, 1398 on the Hijri Solar calendar

A comprehensive peace agreement is made of four parts:

1. Guarantees and enforcement mechanisms that will prevent the use of the soil of Afghanistan by any group or individual against the security of the United States and its allies.

2. Guarantees, enforcement mechanisms, and announcement of a timeline for the withdrawal of all foreign forces from Afghanistan.

3. After the announcement of guarantees for a complete withdrawal of foreign forces and timeline in the presence of international witnesses, and guarantees and the announcement in the presence of international witnesses that Afghan soil will not be used against the security of the United States and its allies, the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will start intra-Afghan negotiations with Afghan sides on March 10, 2020, which corresponds to Rajab 15, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 20, 1398 on the Hijri Solar calendar.

4. A permanent and comprehensive ceasefire will be an item on the agenda of the intra-Afghan dialogue and negotiations. The participants of intra-Afghan negotiations will discuss the date and modalities of a permanent and comprehensive ceasefire, including joint implementation mechanisms, which will be announced along with the completion and agreement over the future political roadmap of Afghanistan.

The four parts above are interrelated and each will be implemented in accordance with its own agreed timeline and agreed terms. Agreement on the first two parts paves the way for the last two parts.

Following is the text of the agreement for the implementation of parts one and two of the above. Both sides agree that these two parts are interconnected. The obligations of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban in this agreement apply in areas under their control until the formation of the new post-settlement Afghan Islamic government as determined by the intra-Afghan dialogue and negotiations.

PART ONE

The United States is committed to withdraw from Afghanistan all military forces of the United States, its allies, and Coalition partners, including all non-diplomatic civilian personnel, private security contractors, trainers, advisors, and supporting services personnel within fourteen (14) months following announcement of this agreement, and will take the following measures in this regard:

29 فروری 2020 کو فریقین کے درمیان ہونے والا وسیع البنیاد معاہدہ 4 نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ دوحہ معاہدے کی پہلی شق کے مطابق افغان سرزمین کو امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف کسی بھی شخص یا گروہ کی جانب سے استعمال ہونے سے روکنے کی ضمانت دینے کے ساتھ اس کا طریقہ کار وضع کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری شق کے مطابق معاہدے پر عملدرآمد کی ضمانت، طریقہ کار اور غیر ملکی افواج کے افغانستان سے انخلاء کی تاریخ کا اعلان کیا جائے گا۔

۳۔ تیسری شق میں کہا گیا ہے کہ افغانستان سے غیر ملکی افواج کے مکمل انخلا کے اعلان کے بعد بین الاقوامی گواہوں کی موجودگی میں (طالبان کو) ضمانت دینا ہوگی کہ افغان سرزمین امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف استعمال نہیں ہوگی، جب کہ 10 مارچ 2020 یا 15 رجب کو امارت اسلامیہ افغانستان جسے امریکا ریاست کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا اور جو افغان طالبان کہلائے جاتے ہیں، افغانستان کے اندر بین الافغان مذاکرات کا آغاز کریں گے۔

۴۔ معاہدے کی آخری شق کے مطابق بین الافغان مذاکرات کے ایجنڈے میں مکمل جنگ بندی بھی شامل ہوگی اور بین الافغان مذاکرات میں شامل فریقین جنگ بندی کی تاریخ کے ساتھ اس کے مشترکہ عملدرآمد کے طریقہ کار پر بھی بات کریں گے جس کا اعلان مذاکرات کی تکمیل کے بعد افغانستان کے سیاسی مستقبل کے لائحہ عمل کے ساتھ کیا جائے گا۔

معاہدے کے چاروں نکات ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور معاہدے کے آخری دو نکات پہلے دو نکات پر عمل درآمد سے مشروط ہیں جس پر فریقین کی جانب سے آمادگی بھی ظاہر کی گئی ہے۔

معاہدے کے تحت افغان طالبان کو اپنے زیر اثر علاقوں میں اس معاہدے پر اس وقت تک عمل کرنا ہوگا جب تک کہ بین الافغان مذاکرات اور بات چیت کے ذریعے ہونے والے تصفیے کے تحت افغانستان میں ایک مستحکم اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی۔

اس کے علاوہ معاہدے کا اطلاق فوری طور پر ہوگا، 14 ماہ میں تمام امریکی اور نیٹو افواج کا افغانستان سے انخلاء ہوگا، ابتدائی 135 روز میں امریکا افغانستان میں اپنے فوجیوں کی تعداد 8600 تک کم کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اتحادی افواج کی تعداد بھی اسی تناسب سے کم کی جائے گی۔(اعداد و شمار کے مطابق افغانستان میں اس وقت تقریباً 14 ہزار کے قریب امریکی فوجی اور 39 ممالک کے دفاعی اتحاد نیٹو کے 17 ہزار کے قریب فوجی موجود ہیں۔)

معاہدے کے تحت قیدیوں کا تبادلہ بھی کیا جائے گا۔ 10 مارچ 2020 تک طالبان کے 5 ہزار قیدی اور افغان سیکیورٹی فورسز کے ایک ہزار اہلکاروں کو رہا کیا جائے گا اور اس کے فوراً بعد افغان حکومت اور افغان طالبان کے درمیان مذاکرات شروع ہوں گے۔

جنگی حالات
اور
اسوہ برائے خواتین

حضرت اُمِ عمّارہؓ انصاریہ ہیں۔مدینے کے اس انصار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جو خزرج کے نام سے مشہور ہے۔یہ اپنے چچازاد بھائی زیب عاصم سے بیاہی تھیں۔ان سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک نام عبداللہ تھا اور دوسرے کا حبیب۔زید کے بعد عربہ بن عمرؓ سے شادی ہوئی۔ان سے بھی دو بیٹے ہوئے، ایم تمیم دوسرے خولہ۔حضرت اُمِ عمّارہؓ کے یہ چاروں بیٹے ہر وقت اسلام کی حمایت کے لیے تیار رہتے تھے۔اب نمونے ملاحظہ ہوں:

جنگِ احد اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ یہ مدینے سے تین چار کلومیٹر دور احد کے میدان میں مکے کے کافروں سے لڑی گئی تھی۔کافر بڑے ساز و سامان سے آئے تھے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی ایک غلطی سے بڑا نازک موقع آ گیا تھا۔اسلام کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیرؓ اور مشہور جاں باز مجاہد حضرت حمزہؓ اچانک شہید ہو گئے۔مسلمان تتر بتر ہو گئے۔حضور نبی کریم ﷺ تنہا رہ گئے۔اب کافروں کا زیادہ تر زور نبی ﷺ کی طرف تھا۔ایسے نازک وقت میں حضورؐ تک کبھی دو اور کبھی آٹھ دس جاں باز پہنچ سکے تھے۔ان جاں بازوں میں حضرت اُمِ عمّارہؓ، ان کے شوہر عربہؓ اور دو بیٹے عبداللہ اور حبیب بھی تھے۔

اس لڑائی کے شروع میں تو حضرت اُمِ عمّارہؓ پر لادے ہوئے دوڑ دوڑ کر مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھی۔اور تلوار سونت لی۔وہ کافروں پر پل پڑیں اور لڑتے لڑتے حضورؐ کے پاس پہنچ گئیں۔اس جنگ کا حال دیکھنے والوں نے اس وقت کا جو نقشہ کھینچا ہے۔وہ اس طرح ہے۔کہتے ہیں کہ:

حضرت اُمِ عمّارہؓ کا حال یہ تھا کہ جیسے شمع کے گرد پروانہ چکر لگاتا ہے۔اسی طرح حضورؐ کے آس پاس بھر رہی تھیں۔کافر جب حضورؐ پر حملہ کرتے تو ان کے وار کبھی اپنی تلوار سے کاٹتیں اور کبھی ڈھال پر روکتی تھیں۔بیٹوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب میں دشمن کے وار کو روکوں تو تم پیچھے سے دشمن کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دینا۔چناں چہ ایسا ہی ہوتا کہ اس تدبیر سے جب زمین پر گرتا تو ماں بیٹے مل کر اس کا خاتمہ کر دیتے۔کبھی ایسا ہوتا کہ خود ہی دشمن کا وار روکتیں۔اور پھر جھپٹ کر اس کے گھوڑے پر وار کرتیں۔ٹھیک اسی وقت حضورؐ ان کے بیٹے عبداللہ کو آواز دیتے۔وہ جھپٹ کر آتے اور دشمن زمین پر ڈھیر پڑا ہوتا۔

اس لڑائی میں ایک موقع پر ایک جیالا کافر ابن قمیہ تلوار سونت کر حضورؐ کی طرف بڑھا۔وہ ابھی پاس نہیں آیا تھا کہ کسی کافر نے حضورؐ کے خود کے حلقوں پر پڑی۔حلقے حضورؐ کے گال میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔اُمِ عمّارہؓ حضورؐ کا یہ حال دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔انہوں نے بڑھ کر ابن قمیہ کے تلوار ماری۔مگر وہ ظالم دہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔تلوار نے کام نہیں کیا۔اس نے پلٹ کر اُمِ عمّارہؓ پر وار کیا تو اس کی تلوار ان کے کندھے پر پڑی۔اور گہرا زخم آیا۔ انہوں نے زخم کی پروا نہیں کی۔ چاہا کہ پھر وار کریں کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔اُمِ عمّارہؓ خون میں نہا گئیں۔حضورؐ نے فوراً پٹی بندھوائی۔جن صحابہ نے اس موقع پر جان پر کھیل کر آپ کو بچایا تھا۔آپؐ نے ان کا نام لے کر فرمایا: ”واللہ! آج ام عمارہ اسلام کی حمایت میں سب سے بڑھ گئیں۔“

اسی لڑائی میں حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے گئے۔”میں تو احد کی لڑائی میں اپنے دائیں بائیں اُمِ عمّارہؓ ہی کو لڑتے دیکھتا تھا“اس لڑائی میں ایک لڑائی میں ایک بار ان کے بہادر سپوت عبداللہ زخمی ہو کر گر گئے تو ماں نے بڑھ کر زخم پر پٹی باندھی اور کہا: ”اسلام کی حمایت

میں اُٹھ۔ بڑھ اور کافروں سے لڑ۔" حضورؐ نے یہ سنا تو فرمایا: "اے ام عمارہ! جتنی طاقت تجھ میں ہے دوسرے میں کہاں؟"

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں کارگزاری دکھاتے دکھاتے جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارا روز کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ حضرت ام عمارہؓ مرتے دم تک فداکاری کے جوہر دکھاتی رہیں۔ حدیبیہ، حنین، اور خیبر کی لڑائیوں میں پیش پیش رہیں۔ عہد رسالت کے بعد جنگ یمامہ میں ایسی لڑیں کہ احد کی یاد تازہ کر دی۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ کے بعد اہلِ یمامہ میں سے ایک زبردست شخص مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے لیے حمایتی اکٹھا کرنے لگا۔ اس کے قبیلے کے چالیس ہزار بہادر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اب وہ بزور اپنی نبوت منوانے لگا۔ انہی دنوں میں ام عمارہؓ کے عزیز بیٹے حضرت حبیبؓ عمان گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس آ رہے تھے۔ راستے میں مسیلمہ کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اپنی حمایت میں لینے کی کوشش کی۔ انہوں نے لاحول ولا پڑھی۔ حضورؐ کی نبوت کا اقرار کیا اور اس کی نبوت کو جھٹلایا۔ اس نے دوسرا ہاتھ ہاتھ کٹوا کٹوا دیا۔ یہ ردوکد ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے ہر انکار پر ایک ایک عضو کاٹتے کاٹتے تکا بوٹی کر دیا۔

یہ دردناک خبر ماں کو ہوئی۔ ماں نے عہد کیا کہ اگر مسلمانوں نے مسیلمہ پر لشکر کشی نہ کی تو اس ظالم کو اپنی تلوار سے جہنم رسید کریں گے۔ چناں چہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر یمامہ کی طرف روانہ کیا تو حضرت ام عمارہؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لیا۔ اور خلیفہ اول کی اجازت سے لشکر کے ساتھ ہو لیں۔

اسلام کی حمایت کا نمونہ پھر ایسا دیکھنے میں نہ آیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک بار مالِ غنیمت آیا۔ اس میں ایک کپڑا نہایت قیمتی تھا۔ اس پر سنہرا کام تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ یہ کپڑا تو اپنے بیٹے عبداللہؓ کو دیں گے یا ام کلثومؓ کو۔ ام کلثومؓ حضرت علیؓ کی بیٹی تھیں۔ عبداللہؓ اور ام کلثومؓ کے تقدس کا ثانی اس وقت مشکل سے نظر آتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں یہ کپڑا اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ یہ کپڑا ام عمارہؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ سے احد کے دن سنا تھا، حضورؐ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن میں جدھر دیکھتا تھا ام عمارہؓ ہی اسلام کی حمایت میں پیش پیش تھیں۔

جنگِ یمامہ میں ام عمارہ نے شروع سے مسیلمہ بن کو تاک لیا تھا۔ حملہ ہوا تو بیٹے کو اشارہ کیا۔ اپنی برچھی اور تلوار سے صفیں چیرتی اور زخم پر زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ کی طرف بڑھیں۔ یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ گئیں۔ وار کرنا چاہتی تھیں کہ اچانک سامنے سے کسی نے مسیلمہ کو نیزہ مارا اور ایک طرف سے کسی کی تلوار اس پر پڑی۔ پلٹ کر دیکھا تو عبداللہ اپنی تلوار کا خون پونچھ رہے تھے۔ پوچھا "بیٹے! تو نے ہی مارا۔" حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: "امی! اس جھوٹے پر ادھر سے میں نے تلوار ماری اور سامنے سے حضرت وحشی نے نیزہ مارا۔ اب معلوم نہیں کہ اسے قتل کرنے کا شرف مجھے ملا یا وحشی کو۔"

یہ سن کر ام عمارہؓ بہت خوش ہوئی۔ اس لڑائی میں ام عمارہؓ نے بڑے بڑے گہرے زخم کھائے تھے۔ ایک ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تھا۔ خالد بن ولیدؓ کی خدمات کے قدر دان تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے علاج کرایا۔ وہ اچھی ہو گئیں۔ خالد بن ولیدؓ کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ وہ بڑے ہمدرد افسر، بڑی اچھی طبیعت کے سپہ سالار اور بڑے متواضع سردار ہیں۔

اسلام کی حمایت کا نمونہ پھر ایسا دیکھنے میں نہ آیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک بار مالِ غنیمت آیا۔ اس میں ایک کپڑا نہایت قیمتی تھا۔ اس پر سنہرا کام تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ یہ کپڑا تو اپنے بیٹے عبداللہؓ کو دیں گے یا ام کلثومؓ کو۔ ام کلثومؓ حضرت علیؓ کی بیٹی تھیں۔ عبداللہؓ اور ام کلثومؓ کے تقدس کا ثانی اس وقت مشکل سے نظر آتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں یہ کپڑا اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ یہ کپڑا ام عمارہؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ سے احد کے دن سنا تھا، حضورؐ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن میں جدھر دیکھتا تھا ام عمارہؓ ہی اسلام کی حمایت میں پیش پیش تھیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد ام عمارہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ ہمیں بھی ایسی توفیق دے کہ ہم بھی اسلام کی حمایت میں جان و مال قربان کر سکیں۔

ابوالفیض اعظمی

منافق

بچوں کے سالانہ امتحانات شروع ہو گئے تھے۔ راشد، ارشد اور ارقم کے امتحانات تقریباً ختم ہو چکے تھے، ان کے صرف دو ہی پیپر باقی تھے لیکن خنساء کا امتحان ختم ہونے میں ابھی بہت دن تھے اس لیے کہانیوں کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں ہوا تھا۔ ٹھنڈک تو ختم ہو گئی تھی لیکن مغرب کی نماز کے بعد دادی کی چارپائی کے پاس مچھروں سے بچنے کے لیے دھونی دی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے کبھی کبھی گھر والوں کی شامت آجاتی اور ان کا چھینکتے چھینکتے برا حال ہو جاتا تھا۔ دادی تو خیر اس کی ہو گئی تھیں لیکن گھر کے دوسرے لوگ اس سے پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ پڑھائی کی وجہ سے بچوں کا دادی کے پاس آنا جانا کم ہو گیا تھا۔ فوزان، جو بچوں میں سب سے کم عمر تھا، زیادہ تر اپنی دادی کے پاس ہی رہتا اور کہانی سنانے کی فرمائش کرتا۔ دادی یہ کہہ کر ٹال دیتیں کہ جب سارے بچے جمع ہوں گے تب کہانی سناؤں گی۔

جمعہ کی رات کو سارے بچے دادی کے پاس اکٹھا ہوئے۔ فوزان نے دھونی پر کچھ گھاس پھوس رکھتے ہوئے دادی سے کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ دادی نے بچوں کو غور سے دیکھا اور کہنے لگیں۔ پیارے بچو! آج میں تمھیں ایک منافق کی کہانی سناؤں گی۔ کہانی شروع ہونے سے پہلے ہی راشد نے دادی سے پوچھ لیا۔ دادی منافق کسے کہتے ہیں؟ دادی نے اسے بتایا کہ منافق اسے کہتے ہیں جو ایک آدمی کے پاس کچھ بات کرتا ہے اور دوسرے کے پاس کچھ اور۔ ایسا شخص صرف اپنے مفاد کے لیے زندہ رہتا ہے۔ دادی نے اتنا کہہ کر کہانی شروع کر دی۔

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک لکڑہارا جنگل میں لکڑی کاٹنے گیا۔ جس وقت وہ لکڑی کاٹ رہا تھا اس نے دیکھا ایک لومڑی بھاگتے ہوئے اس کی طرف آ رہی ہے۔ لومڑی جب اس کے قریب پہنچی تو اس نے لکڑہارے سے فریاد کیا: تم مجھے کہیں چھپا دو میرے پیچھے ایک شکاری اور اس کا کتا دونوں لگے ہوئے ہیں۔ اگر اس میں سے کسی نے مجھے پکڑ لیا تو کاٹ کھائیں گے۔ جس وقت لومڑی لکڑہارے سے فریاد کر رہی تھی وہ ڈر اور خوف سے کانپ رہی تھی۔ لکڑہارے نے جب اس کی بات سنی تو اس نے ایک موٹے پیڑ کی طرف چھپنے کا اشارہ کر دیا۔ لکڑہارے کا اشارہ ملتے ہی لومڑی تیزی سے پیڑ کی طرف بڑھی اور اس کے تنے میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں شکاری بھی اپنے کتے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ شکاری نے لکڑہارے سے پوچھا کہ کیا اس نے اس طرف ایک لومڑی کو آتے ہوئے دیکھا ہے۔ لکڑہارے نے ”نا“ کہتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا اور ہاتھ سے درخت کی طرف اشارہ کر دیا۔ شکاری اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا اور آگے بڑھ گیا۔ لومڑی لکڑہارے کی اس حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے تو وہ درخت کے تنے سے باہر آئی اور درخت کا شکریہ ادا کر کے جانے لگی۔ لکڑہارے نے جب یہ دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے لومڑی سے کہا: اے مطلبی! میں نے تیری حفاظت کی اور تیری جان بچائی اور تو میرا شکریہ ادا کیے بغیر جانے لگی۔ اس بات پر لومڑی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ کس بات کا شکریہ؟ اور کیسی حفاظت؟ یہ بات سچ ہے کہ تو نے اپنی زبان سے میری حفاظت کی، لیکن اپنے ہاتھ کے اشارے سے مجھے مارنے کی بھی کوشش کی۔ اتنا سنانے کے بعد دادی نے کہا اب سارے بچے اس کہانی کا مطلب بتائیں گے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دادی نے خود مطلب بتانا شروع کر دیا:

اس کہانی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کبھی بھی منافقوں والا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔ منافق دین و دنیا دونوں جگہ خوار ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے منافقوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور قرآن کریم کے میں جگہ جگہ ان کو دھمکیاں بھی دی گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ دو چہروں والوں کا انجام قیامت کے دن بہت برا ہوگا اس لیے بچو! ہمیشہ حق کا ساتھ دینا حالات چاہے جیسے بھی ہوں ہمیشہ حق کے سامنے ڈٹے رہنا۔ یہی ایک مسلمان کا مقصد ہونا چاہیے اور اسی پر ایمان ہونا چاہیے۔ بچوں نے جب یہ سنا تو ہمیشہ حق کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔

ثقافت کی تلاش

نسیم حجازی

آٹھواں منظر

کچے مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے کی دیوار کی طاقچے میں مٹی کا دِیا جل رہا ہے۔ کامریڈ ۹ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ایک نوٹ بُک پر کچھ لکھنے میں مصروف ہے۔ اُس کا آدھا جسم ایک میلے کچیلے لحاف کے اندر چھپا ہوا ہے۔ کامریڈ ۱۰ اُس کے قریب فرش پر سو رہا ہے اور اُس کے بوسیدہ لحاف کے کناروں پر میل کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ دو سائیکلیں کھڑی ہیں۔ برابر کے کمرے سے جھنڈو کے خراٹے سنائی دے رہے ہیں۔ کامریڈ ۱۰ کروٹ بدلتا ہے اور چند بار اپنی گردن، پیٹھ اور سینہ کھجانے کے بعد لحاف ایک طرف پھینک دیتا ہے اور اضطراب کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے

۔

کامریڈ۹: کیا بات ہے کامریڈ؟

کامریڈ۱۰: بھئی یہاں ڈی۔ڈی۔ٹی نہیں ہے؟

کامریڈ۹: ڈی۔ڈی۔ٹی کیا کرو گے؟

کامریڈ۱۰: یار! میرے جسم پر جوئیں بھنگڑا ڈال رہی ہیں۔

کامریڈ۹: بھئی ڈی۔ڈی۔ٹی یہاں کیسے مل سکتی ہے۔ اب آرام سے پڑے رہو۔

کامریڈ۱۰: دیکھو جھنڈو کس مزے سے خراٹے لے رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوئیں اُسے لوریاں دے رہی ہیں، تم کیا لکھ رہے ہو؟

کامریڈ۹: یار! خدا کے لیے مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔ میں ایک شاندار ناول کا پلاٹ تیار کر رہا ہوں۔

کامریڈ۱۰: یہ ناول کا پلاٹ تیار کرنے کا کون سا وقت ہے اور تمہارا ناول پڑھے گا کون؟

کامریڈ۹: کامریڈ! اس ناول کا پلاٹ ایسا ہے کہ سارے مُلک میں تہلکہ مچ جائے گا اور میری یہ کوشش ہو گی کہ اس میں ایک کامیاب فلمی کہانی کے تمام جمع کر دیے جائیں۔ میں لاہور پہنچتے ہی کامریڈ الف دین سے مطالبہ کروں گا کہ اگر تم ثقافت کی مہم میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی تاخیر کے بغیر اس ناول کو چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کا اہتمام کرو ورنہ کم از کم کسی کمپنی کو اس کی فلم تیار کرنے پر آمادہ کرو۔ کامریڈ! ذرا غور سے سنو۔ اس وقت مجھے وہ باتیں سُوجھ رہی ہیں جو آج تک کسی کے ذہن میں نہیں آئیں۔ میرے ناول کی ہیروئن ایک دیہاتی لڑکی ہے جو پیدائشی آرٹسٹ ہے۔ اس کا سینہ نغموں سے لبریز ہے۔ وہ بچپن میں اگر روتی بھی ہے تو اُس کے گلے سے بھیرویں اور مالکوس اور شام کلیان کی تانیں نکلتی ہیں۔ اُس کے مکان کے صحن میں آم کا ایک درخت ہے اور جب وہ ذرا بڑی ہو کر گنگنانے لگتی ہے تو پرندے آم کی ڈالیوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے باپ کو معلوم ہے کہ میری لڑکی ایک آرٹسٹ ہے۔ قدرت نے اُسے ثقافت کا بول بالا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے لیکن رجعت پسندوں کے سماج کے ٹھیکیدار اُس کے روح کے پرور نغمے سن کر اپنے نغمے سن کر اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ موسم بہار کی چاندنی راتوں میں جب گاؤں کے لوگ سو جاتے ہیں تو وہ دبے پاؤں نکل جاتی ہے۔ سنسان کھیتوں میں پہنچ کر اُس کے سینے سے نغموں کا سیلاب پھوٹ نکلتا ہے۔ ہواؤں میں سرسراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور درخت جھوم اُٹھتے ہیں۔ چاند قہقہے لگاتا ہے۔ ستارے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ وہ سرسوں کے کھیت پر رقص کرتی ہے اور آسمان سے شبنم کے موتیوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وقت کی نبضیں رُک جاتی ہیں، اچانک وہ ماضی لَوٹ آتا ہے جس کی آغوش میں ہماری ثقافت کے خزانے دفن ہیں۔ موہن جوڈاڑو اور

ہڑپہ کے کھنڈر آباد ہو جاتے ہیں ۔وہاں سے پریوں کے جھرمٹ نمودار ہوتے ہیں اور اس لڑکی کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

کامریڈ 10: خدا کے لیے اب اس تمہید کو مختصر کرو ۔میں تمہاری کہانی کا پلاٹ سننا چاہتا ہوں۔

کامریڈ 9: کہانی کا پلاٹ یہ ہے کہ اس لڑکی کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا ہے۔ ایک رات اس کی بھینس یا گائے کا رَسّا کھل جاتا ہے اور وہ کھیتوں کی طرف بھاگ نکلتی ہے۔نوجوان اُس کی تلاش کے لیے نکلتا ہے تو اُسے یہ لڑکی سرسوں کے ایک کھیت میں گاتی اور رقص کرتی دکھائی دیتی ہے اور وہ چھُپ کر اُس کو دیکھتا رہتا ہے۔

کامریڈ 10: یار تم نرے اُلّو ہو۔ یہ ناچ سرسوں کے کھیت کے بغیر نہیں ہو سکتا؟

کامریڈ 9: سرسوں کے کھیت پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟

کامریڈ 10: سرسوں کے کھیت پر مجھے یہ اعتراض ہے کہ اس میں چلنا بھی تکلیف دہ ہوتا ہے ۔میں آج بھاگتے وقت سرسوں کے ایک کھیت میں تین بار گرا تھا۔

کامریڈ 9: تو کیا ضروری ہے کہ ہر شخص کی ٹانگیں تمہاری طرح ٹیڑھی اور کمزور ہوں ۔ میں ایک صحت مند دیہاتی لڑکی کا ذکر کر رہا ہوں۔

کامریڈ 10: کامریڈ! تم ذاتی حملے کر رہے ہو۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری ہیروئن سرسوں کے کھیت کے بغیر کیوں نہیں ناچ سکتی؟

کامریڈ 9: یار تم عجیب آدمی ہو۔ میں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جب وہ ناچتی ہے تو پھول کھلنے لگتے ہیں اور دیہات کے سفر میں مَیں نے سرسوں کے سوا کسی اور چیز کے پھول نہیں دیکھے۔

کامریڈ 10: لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ سرسوں کے کھیت میں ناچنا ناممکن ہے۔وہاں پاؤں پودوں میں اُلجھ جاتے ہیں اور ناچنے والا گر پڑتا ہے۔

کامریڈ 9: میرے دوست! جب تم گرے تھے تو تم نے ڈھول پہن رکھا تھا لیکن اگر تمہیں اس بات سے کوئی تکلیف ہوتی ہے یوں سمجھ لو کہ میری ہیروئن سرسوں کے کھیت کے پاس کسی خالی کھیت یا کھلے میدان میں ناچ رہی ہے۔

کامریڈ 10: اچھا اب پلاٹ سناؤ مجھے۔

کامریڈ 9: جب طلوعِ سحر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو یہ لڑکی اپنے گھر کی طرف بھاگتی ہے اور وہ نوجوان دبے پاؤں اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ اگلی شام وہ اُس کے دروازے پر کھڑا رہتا ہے اور جب وہ حسبِ معمول گھر سے نکلتی ہے تو وہ پیچھا کرتا ہے ۔یہ نوجوان فطرتاً رجعت پسند ہے۔اُس کی حالت یہ ہے کہ وہ رات چھُپ چھُپ کر اُس کا ناچ دیکھتا ہے اور دن کے وقت اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے لیکن بالآخر ایک طویل ذہنی کش مکش کے بعد وہ فطرت کے تقاضوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے ۔ایک رات جب یہ لڑکی وارفتگی کی حالت میں ناچ رہی ہوتی ہے تو وہ جھجکتے جھجکتے آگے بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ۔وہ دونوں ناچتے ہیں اور فضا مسّرت کے نغموں سے لبریز ہو جاتی ہے۔ بالآخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ہیرو کچھ دیر جھجکنے اور شرمانے کے بعد ہیروئن سے اظہارِ محبت کرتا ہے اور وہ اُسے یہ سمجھاتی ہے کہ تمہیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے ۔میری زندگی کا ایک مقصد ہے ۔میں اپنے گاؤں کو پُرسکون اور اُداس زندگی میں ایک ہنگامہ پیدا کرنا چاہتی ہوں ۔میں اس ملک کی قدیم ثقافت کو زندہ کرنا چاہتی ہوں میں ماضی کا وہ حسین دَور واپس لانا چاہتی ہوں ۔جب چوڑے چکلے جوان اور اَلھڑ دوشیزائیں گھُٹ گھُٹ کر جان دینے کی بجائے ناچ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے ۔میں ان آہنی زنجیروں کو توڑنے کا فیصلہ کر چکی ہوں جن کے بوجھ سے ہماری قومی ثقافت کراہ رہی ہے ۔میں سماج کے رجعت پسند ٹھیکیداروں کو بتانا چاہتی ہوں کہ اب ہم آزاد ہیں اور ایک آزاد قوم کی ثقافت زیادہ عرصہ پابندِ سلاسل نہیں رہ سکتی ۔ اگر تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو تو یہ اچھی طرح سوچ لو کہ تمہیں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔ ہیرو اُسے یقین دلاتا ہے کہ میں تمہاری ایک مسکراہٹ کے بدلے تمام عمر ناچنے اور گانے کے لیے تیار ہوں ۔غرض یہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ثقافت کا بول بالا کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

کامریڈ 10: میرے دوست ! تم ایک بنیادی غلطی کر رہے ہو۔تمہارے پلاٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیہاتی لڑکی کامریڈ الف دین کی کلاس فیلو ہے ۔اور اس کے ذہن میں ثقافت کا وہی مفہوم ہے جو ہم لوگ پیش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان لوگوں کے کانوں کے لیے ثقافت کا لفظ تک اجنبی ہے۔

کامریڈ 9: کامریڈ ! میرا مقصد لڑکی کی قابلیت کا امتحان لینا نہیں بلکہ میں تو کسی نہ کسی طرح دیہاتی عوام کے ذہن میں یہ بات ٹھونسنا چاہتا ہوں کہ جب تک وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رقص اور موسیقی کی اہمیت محسوس نہیں کریں گے،

وہ زندگی کی صحیح مسرتوں اور راحتوں سے آشنا نہیں ہوں گے۔تم سارا پلاٹ سُن لو اور اُس کے بعد اگر تم نے کوئی معقول اعتراض کیا تو میں تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہاں تو میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ ہیرو اور ہیروئن ثقافت کی خدمت کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد کرتے ہیں اور ایک مشترک مقصد کے باعث اُن کی محبت بڑی تیزی کے ساتھ پروان چڑھتی ہے۔اس کے بعد میں اپنی کہانی کے وِلن کا کردار پیش کرتا ہوں۔یہ گاؤں کا رجعت پسند چودھری ہے۔

کامریڈ ۱: نہیں! نہیں! تمہاری کہانی کا وِلن گاؤں کا مولوی ہونا چاہیے جسے ہر وقت لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی فکر رہتی ہے۔ گاؤں کے چودھری کو تم ہیرو کے رقیب کی حیثیت سے پیش کر سکتے ہو۔لیکن ہیروئن کے بیشتر مصائب کی ذمہ داری تمہیں مولوی پر ڈالنی چاہیے۔یہ اس لیے ضروری ہے کہ ثقافت کے مورچے سے ہم جو تیر چلانا چاہتے ہیں۔اس کا پہلا ہدف وہ لوگ ہونے چاہئیں جو مذہب کی ڈھال لے کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

کامریڈ ۹: میں اس قیمتی مشورے کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری کہانی کا پلاٹ یُوں ہوگا کہ گاؤں کے لوگوں کو ہیرو اور ہیروئن کے تعلقات کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ مولوی کو خبردار کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف گاؤں کا چودھری بھی ہیروئن پر فریفتہ ہو چکا ہے اور اُس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔وہ پہلے لڑکی کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دولت کا لالچ دیتا ہے لیکن لڑکی اُسے یہ جواب دیتی ہے کہ میں ثقافت کی خدمت کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔میرا جیون ساتھی صرف وہ ہوسکتا ہے جو اس ملک میں ثقافت کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو۔ چودھری اُسے کہتا ہے کہ جس نوجوان پر تم فریفتہ ہو وہ تمہیں دو وقت کی روٹی بھی نہیں دے سکتا اور میں تمہارے قدموں میں سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا سکتا ہوں۔اور لڑکی یہ جواب دیتی ہے کہ تم سونے اور چاندی سے میری رُوح کی پیاس نہیں بُجھا سکتے۔تم مجھے گھر کی چاردیواری میں قید رکھنا چاہتے ہو اور میں وہ پھول ہوں جسے تروتازہ ہوا کی ضرورت ہے۔پھر وہ دھمکیاں دیتا ہے۔لیکن ہڑپہ اور موہن جوڈارو اور ٹیکسلا کی ثقافت کی بیٹی اُن دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوتی۔لڑکی سے مایوس ہونے کے بعد گاؤں کا چودھری یہ معاملہ مولوی کے پاس لے جاتا ہے۔مولوی یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اُس نوجوان کو لڑکی سے متنفر کرنے کی کوشش کروں گا۔مولوی ہیرو کو بلاتا ہے اور اُسے یہ سمجھاتا ہے کہ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی اور اسی طرح ایک آوارہ لڑکی کے پیچھے بھاگتے رہے تو دنیا اور آخرت میں تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا۔مولوی کے وعظ و نصیحت کے باعث اس داستان کے ہیرو کی رجعت پسندی اُس کے جذبۂ عشق و وفا پر غالب آتی ہے اور وہ رات کے وقت کھیتوں میں لڑکی کا پیچھا کرنے کا مشغلہ ترک کر دیتا ہے۔لڑکی تین راتیں مسلسل کئی کئی گھنٹے کھیتوں میں اُس کا انتظار کرتی ہے لیکن وہ نہیں آتا۔وہ ناچنا چاہتی ہے لیکن اُس کی ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔وہ گانے کی کوشش کرتی ہے لیکن کی آواز حلق سے باہر نہیں نکلتی۔ بالآخر وہ بیمار ہو جاتی ہے۔

کامریڈ ۱: قطع کلام معاف! اس عرصہ میں گاؤں کا چودھری اور مولوی کچھ نہیں کرتے؟

کامریڈ ۹: چودھری ایک ہوشیار آدمی ہے اور وہ جلد بازی سے کام لے کر لڑکی کو مشتعل نہیں کرنا چاہتا۔اُسے اس بات کا یقین ہے کہ اپنے عاشق سے مایوس ہونے کے بعد وہ خود بہ خود اس کی طرف مائل ہو جائے گی۔اس لیے وہ لڑکی کا پیچھا کرنے کے بجائے ہیرو کے گھر پر پہرہ دینا زیادہ سُود مند سمجھتا ہے۔ تاکہ لڑکی کے ساتھ اُس کی دوبارہ ملاقات نہ ہوسکے۔مولوی اُس کا آلۂ کار ہے اور وہ لڑکی کے باپ کو یہ سمجھاتا ہے کہ وہ چودھری کے گھر میں سُکھی رہے گی۔ وہ جوان ہے، دولت مند ہے،نیک ہے اور خوب صورت بھی ہے۔تم اور کیا چاہتے ؟

کامریڈ ۱: ارے یار! تم بھی غضب کرتے ہو۔اس میں چودھری کی شکل وصورت کامریڈ الف دین سے زیادہ بھونڈی ہونی چاہیے۔ورنہ یہ کہانی ایک مذاق بن کر رہ جائے گی۔

کامریڈ ۹: میں پہلے ہی محسوس کرتا تھا کہ تم یہاں پر اعتراض کرو گے۔لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری ہیروئن ثقافت کی خدمت سے متعلق عظیم ترین قربانیاں دینے کے لیے تیار رہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک کھاتے پیتے ،خوش وضع نوجوان کی ازدواجی مسرتوں کی پیش کش ٹھکرا دیتی ہے۔اگر تم یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہ لڑکی اس ناول کی ہیروئن ہے۔جس کا مقصد رقص اور موسیقی کے حق میں رائے عامہ کو بیدار کرنا ہے تو مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس بات سے قطعاً تکلیف نہیں ہوگی کہ

ہیروئن جس نوجوان کو ٹھکرا دیتی ہے وہ مال دار بھی ہے خوش شکل بھی۔ وہ ہیرو کو صرف اس لیے ترجیح دیتی ہے کہ وہ ترقی پسند ہے اور ناچ گانے سے اُس کی روح کی پیاس بجھا سکتا ہے۔

کامریڈ ۱: میرے دوست! میں اپنا اعتراض واپس لیتا ہوں اور آج اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ تم اپنے دَور کے عظیم ترین ناول نگار ہو۔ یہ باریک نکتہ صرف تمہارے دماغ میں آسکتا ہے۔ میں تمہارے اس شاہ کار کا دیباچہ لکھوں گا اور کامریڈ الف دین سے مطالبہ کروں گا کہ وہ کسی تاخیر کے بغیر اس کے فلمانے کا انتظام کرے۔

کامریڈ ۹: شکریہ! بہت بہت شکریہ! اب ذرا کہانی سنو۔ لڑکی کا باپ غریب ہے اور اگرچہ وہ بھی اپنی صاحبزادی کی طرح آرٹ اور کلچر کا دلدادہ ہے لیکن لالچ میں آکر چودھری کے ساتھ اس کی منگنی کر دیتا ہے اور لڑکی کی گریہ وزاری سے کان بند کر لیتا ہے۔ غم زدہ لڑکی زیادہ بیمار ہو جاتی ہے اور اُس کی سہیلیاں ہیرو کو بے وفائی اور بزدلی کا طعنہ دیتی ہیں۔ یہ بات ہیرو کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ مولوی نے چودھری کا راستہ صاف کرنے کے لیے اُسے بے وقوف بنایا ہے۔ اس کا دل سماج کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اُس کی روحانی و اخلاقی قدریں یکسر بدل جاتی ہیں۔ اب اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس رجعت پسندی اور پس ماندگی کے خلاف ثقافت کے مورچے میں بیٹھ کر ہی ایک کامیاب جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ وہ ہیروئن کے ساتھ اپنی وابستگی کو ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ ان کھیتوں میں جاتا ہے جہاں وہ رقص کیا کرتے تھے اور اُداس اور مغموم درختوں کو مخاطب کر کے یہ اعلان کرتا ہے کہ اب میری زندگی کا ہر سانس ثقافت کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ میں اپنے گاؤں کے نوجوانوں کو رجعت پسندی کے چنگل سے چھڑانے کے لیے اور گانے کی تربیت دوں گا۔ ہیروئن کے گھر کے دروازے پر چودھری نے اپنے آدمیوں کا پہرہ بٹھا رکھا ہے اس لیے بدنصیب ہیرو وہاں نہیں جاسکتا لیکن اُسے یقین ہے کہ اُن کی زندگی کے راستے بہت جلد ایک دوسرے سے آملیں گے۔ وہ اپنے چند دوستوں کو جمع کر کے رات کے وقت کھیتوں میں لے جاتا ہے اور اُنہیں ماہیا سُناتا ہے۔ جب وہ چند گانے سیکھ جاتے ہیں تو وہ ایک ڈھول خریدتا ہے اور اُنہیں بھنگڑا ناچ سکھاتا ہے۔ گاؤں کے نوجوانوں میں زندگی کا ایک نیا ولولہ جاگ اُٹھتا ہے اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ دوسری طرف ہیروئن کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا عاشق زار راہِ راست پر آگیا ہے اور وہ اس کے ساتھ ثقافت کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے کئی نوجوان میدان میں آگئے ہیں تو اس کی بیماری دوُر ہو جاتی ہے اور وہ اپنے دل میں زندگی کی نئی دھڑکنیں محسوس کرتی ہے۔ ایک دن وہ تمام سہیلیوں کو جمع کرتی ہے اور ثقافت کی بے بسی کے موضوع پر ایک پرجوش تقریر کرتی ہے۔ اختتام پر وہ یہ کہتی ہے کہ میری مظلوم بہنو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم متحد اور منظم ہو کر ان رجعت پسند مردوں کے دماغ درست کرنے کی کوشش کریں۔ جنہوں نے ہماری ثقافت کی آزادی پر پرتوہمات کے پہرے بٹھا رکھے ہیں۔

اس کے بعد ہیروئن کے گھر کی چار دیواری کے اندر ہلکے پھلکے ثقافتی مظاہرے شروع ہو جاتے ہیں اور گاؤں کے رجعت پسند یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے کھیتوں اور ان کے گھروں میں ایک خطرناک تحریک کا مواد پک رہا ہے۔ گاؤں کا مولوی جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی تعداد بدستور کم ہو رہی ہے تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ دن رات تقریریں کر کے گاؤں کے لوگوں میں ایک عام ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ گاؤں کی پنچایت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کو اُن کے والدین سمیت گاؤں سے نکال دیا جائے لیکن چودھری اُنہیں یہ سمجھاتا ہے کہ یہ لڑکی بے قصور ہے۔ اُسے اس نوجوان نے ورغلا کر غلط راستے پر ڈال دیا ہے میں آج ہی اس کا دماغ ٹھیک کر دوں گا۔ رات کے وقت ہیرو ڈھول بجا رہا ہے اور اس کا ساتھی بھنگڑا ڈال رہے ہیں۔ چودھری پچاس ساٹھ غنڈوں کے لشکر کے ساتھ دھاوا بول دیتا ہے۔ ہیرو کے ترقی پسند ساتھی تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ نکلتے ہیں لیکن اُسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ چودھری ڈھول اُٹھا کر اُس کے سر پر دے مارتا ہے اور جس طرح تم ڈھول میں پھنس گئے تھے اسی طرح وہ بھی پھنس جاتا ہے۔ چودھری کے ساتھ اُسے جوتم پیزار کرتے اور دھکے دیتے ہوئے دریا کی طرف لے جاتے ہیں۔ ادھر ہیروئن کو اس صورتِ حال کا علم ہوتا ہے تو وہ گھر سے نکل کر بھاگتی ہوئی کھیتوں کا رُخ کرتی ہے۔ دریا کے کنارے ڈھول میں پھنسے ہوئے ہیرو کو چودھری کے آدمی قتل کی دھمکیاں دینے

کے بعد یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تم دوبارہ گاؤں میں بھنگڑا ناچ کا پرچار نہیں کرو گے تو تمہاری جان بچ سکتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ لوگ اُسے دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ جب وہ بہتا ہوا گہرے پانی میں چلا جاتا ہے تو ہیروئن پہنچ جاتی ہے۔ اُسے ہیرو کی چیخیں سنائی دیتی ہیں تو وہ بھی پانی میں کود پڑتی ہے اور تیزی سے آگے بڑھ کر اُسے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈھول میں پھنسے ہوئے آدمی کو نکالنا آسان کام نہیں ہوتا اور یہ لڑکی اچھی پیراک بھی نہیں۔ تماشائی چاند کی روشنی میں یہ اندوہناک منظر دیکھتے ہیں۔ ہیرو اور ہیروئن بدستور منجدھار کی طرف جارہے ہیں۔ چودھری کچھ دیر مبہوت کھڑا رہتا ہے اور پھر پوری قوت سے چلاتا ہے۔ نادان لڑکی! واپس آجاؤ۔ تم اُسے نہیں بچا سکتیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ناچ اور گانے سے منع نہیں کروں گا۔ لڑکی جواب دیتی ہے میرا مرنا اور جینا اُس کے ساتھ ہے، میں واپس نہیں آؤں گی۔ چودھری اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر چلاتا ہے۔ بھائیو! نہیں بچاؤ اور اس کے ساتھ ہی دریا میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ کئی اور لوگ بھی دریا میں کود پڑتے ہیں۔ چودھری تیزی سے تیرتا ہوا اُن کے قریب پہنچتا ہے۔ لڑکی ڈھول کی رسّی پکڑ کر ہیرو کو ڈوبنے سے بچانے کی جدوجہد کررہی ہے۔ چودھری لڑکی کو سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے اور اُسے سمجھاتا ہے کہ ڈھول کی رسّی چھوڑ دو ورنہ تم دونوں ڈوب جاؤ گے۔ لڑکی فیصلہ کن انداز میں کہتی ہے کہ مجھے اس کے ساتھ ڈوب مرنا منظور ہے اور ہیرو بھی یہ کہتا ہے کہ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ تم ثقافت کے دشمن ہو اور تمہاری کم از کم سزا یہی ہوسکتی ہے کہ تم باقی تمام عمر ہمارے خونِ ناحق سے پریشان رہو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم دونوں زندہ رہیں تو تمہیں یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آئندہ تم ثقافت کی ترقی کے راستے میں روڑے نہیں اٹکاؤ گے اور لڑکی کہتی ہے کہ اگر تم نے یہ وعدہ نہ کیا تو میں پانی میں غوطہ لگا دوں گی اور دوبارہ اُبھرنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ چودھری خوف زدہ ہوکر چلا اُٹھتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے گاؤں کا کوئی آدمی تم دونوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ خدا کے لیے تم سوہنی مہینوال کا قصہ تازہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ آئندہ نسلیں مجھے تمہارے قتل کا ذمہ دار ٹھہرائیں۔ چودھری ڈھول کی رسّی پکڑ لیتا ہے لیکن منجدھار کے قریب پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے یہ تینوں آن کی آن میں کئی گز نیچے چلے جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں گاؤں کے کئی اور جوان اُن کی مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ ہیرو اور ہیروئن اُن کی مدد قبول کرنے سے پہلے اُن سے بھی یہ وعدہ لیتے ہیں کہ وہ گاؤں کے اندر اور باہر ثقافتی مظاہروں کی مخالفت نہیں کریں گے۔ قصہ مختصر انہیں بڑی مشکل سے دریا سے باہر نکالا جاتا ہے۔ ہیرو ڈھول کے شکنجے سے باہر نکلنے کے بعد اپنے حواس درست کرتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور ثقافت کی اہمیت کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز تقریر کرتا ہے۔ چودھری کے دل پر اس تقریر کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت اپنے ایک نوکر کو حکم دیتا ہے کہ تم بھاگ کر گاؤں سے ایک نیا ڈھول لے آؤ۔ ہم اپنے گاؤں کے ہیرو اور ہیروئن کو بچانے کی خوشی میں ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنا چاہتے ہیں۔ جب چودھری کا آدمی ڈھول لے کر آجاتا ہے تو دریا کے کنارے ایک عظیم ثقافتی مظاہرہ شروع ہوجاتا ہے۔ ہیرو ڈھول بجاتا ہے اور نوجوان بھنگڑا ڈالتے ہیں۔ چودھری کچھ دیر جھجکتا ہے لیکن بالآخر ناچ میں شریک ہوجاتا ہے۔ یہ لوگ ناچتے گاتے ایک جلوس کی شکل میں اپنے گاؤں کا رُخ کرتے ہیں۔ گاؤں کا مولوی مسجد سے نکل کر یہ منظر دیکھتا ہے تو اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔ اس کے بعد ثقافت کو زندہ کرنے کی تحریک سارے علاقے میں پھیل جاتی ہے اور رجعت پسند مولوی گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور چودھری اُس کی جگہ ایک ترقی پسند مولوی کو لے آتا ہے۔ چند دن بعد ہیرو اور ہیروئن کی شادی ہوجاتی ہے اور علاقے کے تمام چودھری دولہا اور دلہن کے لیے سارنگیوں، طبلوں، ڈھول اور چمٹوں کے تحائف لے کر آتے ہیں۔ کہانی کا اختتام اس طرح ہوگا کہ ہیرو اور ہیروئن بوڑھے ہوجاتے ہیں اور ان کی سلور جوبلی کے موقع پر اس گاؤں میں ایک بین الاقوامی ثقافتی مظاہرہ ہوتا ہے جس میں سینکڑوں سازندے، رقاص اور گویّے اپنے کمالات کے مظاہرے کرتے ہیں۔ ملک کے طول وعرض سے جمع ہونے والے لاکھوں تماشائی ہیرو کے گھر کی ایک کوٹھری میں جا کر اُس پُرانے ڈھول کی زیارت کرتے ہیں جس کے اندر پھنس کر اُس نے دریا میں غوطے کھائے تھے۔ (جاری)

خضر راہ

گذشتہ سے پیوستہ

ابن سلطان

اے تری چشم جہاں بیں پر وہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش

اس بند میں علامہ اقبال حضرت خضر سے کہتے ہیں کہ اے خضر آپ دوراندیش ہیں۔ دریا کی تہوں میں چھپے ہوئے تمام طوفان و ہنگامے آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ آپ پر سب ظاہر و باہر ہیں۔

'کشتیِ مسکین' و 'جانِ پاک' و 'دیوارِ یتیم'،
علمِ موسیٰؑ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

اے خضر! آپ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اس میں حضرت موسیٰؑ بھی آپ کی برابری نہ کر سکے وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ نے غریب ملاح کی کشتی میں سوراخ کیوں کر دیا؟ ایک بے گناہ بچے کو کیوں قتل کر دیا؟ یتیموں کی شکستہ دیوار بغیر اجرت کے کیوں تعمیر کر دی؟

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

اے خضر! تو آبادیاں چھوڑ کر آخر صحرا صحرا کیوں بھٹکتا رہتا ہے؟ تیری زندگی پر دن و رات، ماضی و مستقبل اثر انداز کیوں نہیں ہوتے؟

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟

اے خضر! آپ بتائیں کہ زندگی کا راز کیا ہے؟ حکم رانی و بادشاہت کیا چیز ہے؟ آج دولت و محنت کے درمیان یہ کیسا شور و غل بپا ہے؟

ہو رہا ہے ایشیا کا خرقۂ دیرینہ چاک
نوجواں اقوامِ نودولت کے ہیں پیرایہ پوش

اے خضر! آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایشیاء کا قدیم لباس چاک ہو رہا ہے، ہمارے نوجوان نئی ابھرتی ہوئی سلطنت (امریکہ، روس، برطانیہ وغیرہ) کے لباس کیوں زیب تن کر رہے ہیں؟ یعنی ان نئی اقوام کی تقلید کیوں کر رہے ہیں؟

گرچہ اسکندر رہا محرومِ آبِ زندگی
فطرتِ اسکندری اب تک ہے گرمِ ناؤ نوش

سکندر تو آبِ حیات سے محروم رہا، لیکن سکندری فطرت اب تک رنگ رلیاں و عیش مستی میں سرگرم ہے۔ یعنی بادشاہ تو آئے دن مرتے رہتے ہیں لیکن بادشاہت ابھی تک زندہ ہے۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

اے خضر! دیکھ! عرب دینِ مصطفیٰ کی عزت و محبت کا سودا کر رہے ہیں، سخت جاں ترک خاک و خون میں لت پت ہیں۔ ان پر مصائب نازل ہو رہے ہیں۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!

اے خضر! نمرودِ وقت نے پھر اولادِ ابراہیمؑ کے لیے آگ بھڑکا دی ہے کیا کوئی (خدا) پھر کسی کا امتحان لینا چاہتا ہے؟ کیا خدا پھر اولادِ ابراہیمؑ کا امتحان لے کر انہیں امامتِ عالم سے سرفراز کرنا چاہتا ہے؟

الفاظ و معنی:

آشکار = ظاہر، واضح
خموش = خاموش
صحرانورد = جنگلوں کی پیمائش کرنے والا، جنگل جنگل بھٹکنے والا
فردا = آنے والا دن
دوش = گذشتہ شب
خروش = شور و غل
پیرایہ = لباس، پوشاک، طرز و طریقہ
ناؤ نوش = رنگ رلیاں، عیش و طرب
اقوامِ نو = مراد امریکہ، روس، برطانیہ
ہاشمی = مراد شریف مکہ جس نے ۱۹۱۶ء میں ترکوں سے غداری کر کے انگریزوں سے دوستی کی تھی۔ اس کا نام حسین تھا۔

کورونا وائرس چمگادڑ خوروں کی ایجاد

رشید سمیع سلفی

خبروں نے دنیا کے طول وعرض میں ایک سنسنی پھیلادی ہے، چائنا کا کورونا وائرس دیوار چین کو عبور کر کے دوسرے ممالک میں بھی پیر پسار رہا ہے،چین کے علاوہ امریکہ سمیت 28 ممالک میں کورونا وائرس گربہ قدم داخل ہوچکا ہے،سردست چائنا اس وائرس سے ہلاک ہونے والے اپنے شہریوں کی لاشیں گن رہا ہے، جو کچھ اب تک میڈیا میں آچکا ہے وہ پوری دنیا کو ہراساں کرنے کیلئے کافی ہے۔

خبر رساں ایجنسیوں کا کہنا ہیکہ چائنا کورونا وائرس کے بارے میں شفافیت نہیں برت رہا ہے، بہت کچھ عالمی برادری سے چھپا رہا ہے،مرنے والوں کی تعداد تو دو ہزار کے قریب بتائی جارہی ہے،لیکن اندازہ ہیکہ پچیس ہزار یا ایک خبر کے مطابق پچاس ہزار لوگ کورونا وائرس کی خوراک بن چکے ہیں،روزآنہ تھوک کے حساب سے جانیں جارہی ہیں،یہ بھی خبر ہیکہ چائنا وائرس کے متاثرین کو گولیاں مار مار کر ہلاک کررہا ہے،گھروں میں گھس گھس کر متاثر پائے جانے والوں کو کیمپوں میں بھیج رہا ہے،لوگوں کو گھروں میں بند کر دیا گیا ہے،سب سے پہلے جس ڈاکٹر نے اس وائرس کا پتہ لگایا تھا وہ بھی وائرس سے ہلاک ہوچکا ہے،میڈیا میں یہ بات بھی چل رہی ہے کہ وہاں کے آسمان پر سرخی مائل بادل نظر آرہے ہیں،ووہان وہی شہر ہے جہاں پہلی بار وائرس کا سراغ لگا تھا،قیاس یہ ہیکہ یہ سرخی مائل بادل لاشیں جلانے کے سبب ہے،ایسا گمان کیا جارہا ہے کہ دس ہزار کے قریب لوگوں کی لاشوں کو جلایا گیا ہے اور سلفر ڈائی آکسائیڈ کی وجہ سے آسمان سرخی مائل ہے،پورا چین خوف وہراس کے سائے میں جی رہا ہے،سڑکیں ویران ہیں،دن کو کرفیو جیسی حالت اور رات ڈراؤنی ہوتی جارہی ہے،اکنومی بدترین صورتحال سے گذر رہی ہے،نوٹوں کو نذر آتش کیا جارہا ہے،کیونکہ نوٹوں کے ذریعہ بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ وائرس پھیل رہا ہے۔84 ہزار کروڑ روپے کی کرنسی تباہ کرنے کا آرڈر دے دیا گیا ہے۔

تحقیقات کے مطابق چمگادڑ اور ان جیسے جانوروں کو کھانے کے سبب یہ وائرس پھیلا ہے،گویا کورونا وائرس دنیا کو چمگادڑ خوروں کی سوغات ہے، یہ سچ ہیکہ چینی قوم وہ تمام جانور کھاتی ہے جو عام طور پر پوری دنیا میں کہیں بھی نہیں

کھائے جاتے بلکہ ان سے گھن بھی کیا جاتا ہے، چمگادڑ ،سانپ ،حشرات الارض، کتے، بلی بھی یہ کھاجاتے ہیں،چوہے اور چھچھوندر بھی ان سے نہیں بچے،زندہ جانوروں کو بھی چباچبا کر ڈکار جاتے ہیں،ووہان شہر جو اس طرح کے جانوروں کے گوشت کا سینٹر سمجھا جاتا تھاوہ اس وآئرس سے سب سے زیادہ متاثر ہے،ہوبۓ جہاں یہ شہر واقع ہے،وہاں بھی بہت تیزی سے پھیل رہا ہے،اب تک اس خونخوار وائرس کو قابو میں نہیں کیا جاسکا ہے،ڈاکٹروں نے اپنی پوری توانائی جھونک دی ہے لیکن علاج ابھی تک نہیں ڈھونڈا جاسکا۔

حیرت ہیکہ دنیا غیر معمولی ترقیوں کے باوجود قدرت کے سامنے بے بس ہے،ایک معمولی وآئرس نے عالمی طاقتوں کے اوسان خطا کردئے ہیں،چائنا کی معاشی ترقی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے،پوری دنیا میں اس کی مصنوعات کا ڈنکا بج رہا ہے،عالمی بازار پر قابض ہے،لیکن ایک وآئرس سے اس کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے،اکسپورٹ تھم سا گیا ہے،یہ سچ ہیکہ طاقت کے نشے میں انسان اپنی حدوں کو بھول جاتا ہے،آج جب یہ سپر پاور کرونا کے سامنے بے بس ہے تو اسکے کالے کارناموں کو بھی ایک ایک کرکے یاد کیا جارہا ہے ،یہی چائنا ہے جس نے طاقت کے نشے میں مسلمانوں پر بے انتہا ظلم ڈھایا ہے،ان کے عبادت گاہوں پر تالا لگایا،برقعے پر پابندی، قرآن پر پابندی،زبردستی داڑھیاں نکلوائی گئیں، لاکھوں مسلمانوں کو ڈیٹینشن سینٹروں میں بند کیا گیا، بچوں کو انکے ماں باپ سے اور شوہروں کو انکی بیویوں سے الگ کیا گیا،غرور میں یہ دہریہ بھول گیا تھا کہ دنیا میں مکافات عمل کا نظام بھی جاری ہے، پھر کیا ہوا،اسلام پر پابندی لگانے والے پر آج پوری دنیا نے پابندی لگادی ہے،اکثر ممالک نے چائنا کی پروازوں کو رد کردیا ہے،چینیوں کی آمدورفت پر روک لگادی ہے،مسلمانوں کو ڈیٹینشن سینٹروں میں بند کرنے والوں کے پورے ملک کو ڈیٹینشن سینٹر میں تبدیل کردیا ہے،گھروں سے باہر نکلنے پر پابندی لگادی گئی ہے،ہر چہار جانب پہرہ ہے،اسکے مال بردار جہاز سمندر ہی میں کھڑے ہیں،نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن،دوست ممالک نے بھی آنکھیں پھیر لی ہیں،غور کیجئے خواتین کے سروں سے دوپٹہ نوچنے والے آج اپنا پورا وجود چھپائے پھر رہی ہیں،یاد کیجئے، مسلماں وں پر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے پر جو صدر کہتا تھا کہ یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے جس میں مداخلت کی ہم کسی کو اجازت نہیں دینگے وہ اب عالمی برادری سے مدد کی گہار لگا رہا ہے،کرونا وآئرس نے ساری اکڑفوں ہرن کردی ہے،چائنا اینڈ کمپنی ابھی تک کرونا کا توڑ نہیں لا سکی بس احتیاطات کا پروچن دیا جارہا ہے۔

جب یہ بات طے ہو چکی ہیکہ چمگادڑ کھانے کے سبب وآئرس پھیلا ہے تو اسلام کے تصور حلال وحرام کی حکمت اورنکھر جاتی ہے،اب تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام کھانے پینے کی چیزوں سے بحث کیوں کرتا ہے؟ سورہ مائدہ قرآن میں کیا کررہی ہے؟ آخر کیوں کھائے جانے اور نہ کھائے جانے والے جانوروں کی فہرست جاری کی گئی ہے؟ کیوں حلال وحرام کے اصول وقواعد بیان کئے گئے ہیں؟ کتاب وسنت میں کیوں اطعمہ واشربہ کی تفصیلات دی گئی ہیں،وقت اور حالات کی تبدیلیاں دین حق کی صداقت پر مہر تائید ثبت کررہی ہیں،اور بتارہی ہیں کہ یہی دین فطرت ہے جسکی تعلیمات پر چل کر ہی انسان آفات وبلیات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

یہ سچ ہیکہ غذا کے اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں،اس پر اہل علم نے کتابیں بھی لکھی ہیں،سور کھانے والے دنیا میں سب سے زیادہ بے حیا اور بے غیرت ہیں،کیونکہ سور ایک بے حیا جانور ہے،عربوں میں غیرت وجذباتیت اونٹ کھانے کے سبب ہوتی ہے،کیونکہ اونٹ بہت ہی غیور اور کینہ توز جانور ہے،جس قوم نے جن جانوروں کو اپنی غذا بنایا ہے وہ ان کے صفات واثرات سے محفوظ نہیں رہے،ظاہر سی بات ہیکہ جن حیوانات کو قدرت نے انسانی غذا نہیں بنایا،چائنا کی عوام نے نہ صرف ان کو کھایا بلکہ ویڈیوز کے ذریعہ پوری دنیا میں ان کی تشہیر بھی کی،یہ قدرت سے بغاوت اور فطرت سے چھیڑ چھاڑ ہی تو ہے ،قدرت سے بغاوت کا خمیازہ تو انسان کو بھگتنا ہی پڑیگا،برسوں کے تمرد اور سرکشی کے بعد ملحد چائنا بھی قدرت کے عتاب کی زد میں آیا ہے،عتاب بھی ایسا کہ جس سے فرار کی سپر پاور کے پاس فی الحال کوئی سبیل نہیں ہے،بس جھنجھلاہٹ میں ستم رسیدہ شہریوں پر مزید ستم ڈھارہا ہے،جانوروں کو ختم کررہا ہے،بس دیکھئے خدا کے وجود اور مذہب کا منکر چائنا اس تازیانۂ عبرت پر ہوش کے ناخن لیتا بھی ہے کہ نہیں۔

(بشکریہ فری لانسر)

''امریکہ کے ساتھ طالبان کا معاہدہ ان کی بڑی کامیابی ہے''

ہارون رشید

(طالبان - امریکہ معاہدہ کے موقع سے، دوحہ (قطر) میں ہارون رشید ،انڈپینڈنٹ اردو کا طالبان دورِحکومت کے اسلام آباد میں سابق سفیر ملا عبدالسلام ضعیف سے 'امن معاہدہ اورافغانستان کے مستقبل' پرخصوصی انٹرویو)

افغانستان میں طالبان اسلامی تحریک کے سابق سفارت کار ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا ہے کہ امریکہ کے ساتھ طالبان کا معاہدہ ان کی بڑی کامیابی ہے کیونکہ وہ اپنی امارت (حکومت) کے دعوے سے دستبردار نہیں ہوئے۔

ملا ضعیف کا کہنا تھا کہ طالبان نے اب تک جو بات چیت کی ہے وہ 'افغانستان اسلامی امارت' کے نام سے کی ہے اور جو معاہدہ ہو رہا ہے وہ بھی اسی نام سے ہو گا۔ طالبان اپنی امارت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ جب وہ امارت پر ڈٹے ہوئے ہیں تو دوسری کسی حکومت کا وجود نہیں مان سکتے۔

دوحہ میں اپنی گذشتہ آٹھ برسوں سے مقیم رہائش گاہ پر انٹرویو میں ان کا ایک سوال کے جواب میں کہنا تھا کہ افغان حکومت کے ساتھ مذاکرات کی کوئی شرط امریکہ کے ساتھ معاہدے میں شامل نہیں 'یہ مسئلہ قومی افغان ڈائیلاگ کے دوران حل ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس کا حل یہی ہے کہ افغانستان میں ایک قومی نظام پر بات ہو نہ کہ ایک دوسرے کو تسلیم کرنے پر۔'

طالبان کے 53 سالہ سابق سفارت کار کا، جنہیں پاکستان نے 2001 میں اسلام آباد میں سفارتی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا تھا، کہنا تھا کہ یہ امن معاہدہ طالبان کی سوچ میں تبدیلی نہیں بلکہ امریکہ کی سوچ میں تبدیلی سے ممکن ہوا۔

'دراصل 2001 میں امریکہ نے افغانستان میں جولڑائی شروع کی، اس کا انتخاب افغانستان کے لوگوں یا طالبان نے نہیں کیا تھا۔ وہ لڑائی افغانستان پر مسلط کی گئی تھی۔'

'امریکہ نے پوری طاقت اور غرور کے ساتھ دنیا اور پڑوسیوں کی مدد سے افغانستان پر حملہ کیا اور افغانستان آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ طالبان نے ہار مانی بلکہ امریکہ نے ہار مانی ہے۔'

انہوں نے مزید کہا کہ' 2006 تک امریکہ اسی غرور میں مبتلا تھا، البتہ 2006 کے بعد امریکہ نے محسوس کیا کہ افغانستان میں اس کے مقابلے میں بڑی مزاحمت پیدا ہوگئی ہے جو دن بدن بڑھ رہی ہے۔'

'2008 سے امریکہ اور دنیا کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی کہ افغانستان کو طاقت سے نہیں چلایا جا سکتا بلکہ ایک سیاسی عمل کی ضرورت ہے۔'

'2008 کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا کہ طالبان کے لیے ایک سیاسی چینل پیدا کیا گیا اور یہ کہ یہ کہاں ہو گا؟ کس طرح ہو گا اور طالبان سے بات چیت کس طرح ہو گی؟ اس سلسلے میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، انڈونیشیا اور پاکستان کو کردار ادا کرنے کو کہا گیا لیکن طالبان نے وہ سب کچھ اس طرح نہیں مانا جس طرح امریکہ چاہتا تھا۔'

طالبان جنگجوؤں پر کیا اس معاہدے کا کوئی منفی یا مثبت اثر ہو گا؟ کیا وہ سب اس کی حمایت کرتے ہیں؟ اس بارے میں سابق طالبان رہنما کا کہنا تھا کہ طالبان کے متعلق بہت منفی تاثر پیش کیا گیا کہ ان کے درمیان اس معاہدے سے متعلق ہم آہنگی نہیں یعنی قیادت اور جنگجوؤں یا قیادت اور کمانڈروں یا سیاسی اور عسکری قیادت کے درمیان ہم آہنگی نہیں اور اسی وجہ سے جنگ بندی کا وقت، جس کا جمعہ کو آخری دن رکھا گیا ہے میرے خیال میں یہ بہت موثر رہا۔

'اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طالبان کی آپس میں پوری ہم آہنگی موجود ہے۔ میرے خیال میں ایک ہفتے کا پر امن گزر جانا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ایسا کوئی خدشہ موجود نہیں۔'

افغان قہوے اور خشک میوے سے میزبانی کرتے ہوئے ملا ضعیف نے بتایا کہ اب ان کے طالبان سے رابطے نہیں ہیں۔ وہ افغانستان میں بھی اکثر وقت گزارتے ہیں اور وہاں چند نجی تعلیمی منصوبے چلا رہے ہیں۔ دوحہ میں ان کے دو بیٹے کاروبار کر رہے ہیں۔

ان سے ایک اہم سوال پوچھا کہ کیا یہ معاہدہ چل پائے گا؟ کیا معاہدے کی جو تفصیلات اب تک

سامنے آئی ہیں ان کے مطابق کیا طالبان کے لیے ان شرائط کو ماننا آسان ہوگا؟ تو ان کا جواب تھا کہ طالبان کے لیے شرائط سخت نہیں ہیں۔

'ماسوائے اس کے کہ افغانستان کا مسئلہ سیاسی بات چیت کے ذریعے حل ہو۔طالبان نہیں چاہتے کہ افغانستان میں سوویت یونین کے نکلنے کے بعد مجاہدین والا تجربہ دہرایا جائے۔'

'طالبان چاہتے ہیں کہ جنگ کے بعد افغانستان میں سیاسی عمل شروع ہو اور یہ صلح اور اتفاق سے ہی ممکن ہے۔طالبان کی تقریباً تمام شرائط مانی گئی ہیں۔'

'امریکہ کی شرائط کچھ ایسی ہیں کہ افغانستان افغانوں کا ہے اور کسی کے خلاف استعمال نہ ہو۔ افغان بھی یہی چاہتے ہیں۔ اگرچہ ایسا اس سے قبل ہو چکا ہے لیکن مستقبل میں افغانستان صرف افغانوں کا ہوگا اور کسی اور کا نہیں ہوگا۔ یہاں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکے گا۔'

انہوں نے کہا کہ افغانستان کسی پڑوسی یا کسی اور کے خلاف استعمال نہیں ہوگا 'اس میں ہم افغانستان کی بہتری دیکھتے ہیں۔ امریکیوں نے اپنی بعض شرائط منوانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی گئیں۔امریکیوں نے مان لیا ہے کہ وہ تقریباً 14 ماہ میں افغانستان سے مکمل طور پر نکل جائیں گے، جو ایک اچھی بات ہے۔'

دوحہ میں افغانستان میں قیام امن کے لیے تاریخی معاہدے پر آج مقامی وقت کے مطابق چار بجے دستخط ہونے ہیں، جس کی تمام تیاریاں مکمل ہیں۔

امریکہ نے کہا ہے کہ ان کے وزیر خارجہ مائیک پومپیو امن معاہدے پر دستخط کی تقریب میں شریک ہوں گے۔تاہم دونوں فریقین نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ان کی جانب سے کون دستخط کرے گا۔

ملا ضعیف سے پوچھا گیا کہ معاہدے میں ایک شرط یہ ہے کہ طالبان کو افغان حکومت سے مذاکرات کرنا ہوں گے۔طالبان ہمیشہ اس سے انکار کرتے رہے ہیں تو ان کا کہنا تھا کہ 'یہ شرط اس معاہدے میں نہیں ہے کہ طالبان صرف افغانستان کی حکومت سے مذاکرات کریں گے۔ ہاں یہ مانا گیا ہے کہ افغانوں کے درمیان مذاکرات ہوں گے۔ یہی وہ مشکل کام ہوگا جس کا طالبان کو سامنا ہوگا۔معاہدے کے کچھ روز بعد افغان حکومت کو بھی اس مشکل کا سامنا ہو سکتا ہے۔ طالبان نے اب تک جو بات چیت کی ہے وہ افغانستان اسلامی امارت کے نام سے کی ہے اور جو معاہدہ ہو رہا ہے، وہ بھی اسی نام سے ہوگا۔

'طالبان اپنی امارت سے دستبردار نہیں ہوئے۔جب وہ امارت پر ڈٹے ہوئے ہیں تو دوسری کسی حکومت کا وجود نہیں مان سکتے۔ یہ مسئلہ افغان ڈائیلاگ کے دوران حل ہو سکتا ہے۔'

دوحہ میں صحافیوں سے گفتگو میں انہوں نے بتایا کہ افغانستان میں طالبان تحریک کے رہنما اور حقانی نیٹ ورک کے اہم رکن انس حقانی کا کہنا ہے کہ 'ہماری جانب سے امریکہ کے ساتھ طے پانے والے معاہدے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ ہم مسلمان ہیں اور ہم نے اپنے عقیدے کے مطابق ہمیشہ اپنے قول پر عمل کیا ہے۔ ماضی میں بھی اور اب بھی بار بار مخالفت ہوئی ہے۔'

ملا ضعیف سے جب طالبان قیدیوں کی تعداد معلوم کی گئی، جن کی رہائی معاہدے کا بظاہر ایک اہم نکتہ ہے، تو ان کا کہنا تھا کہ طالبان کے نام پر افغانستان میں 40 ہزار قیدی ہیں لیکن دراصل 15، 16 ہزار ہی ہیں۔

کیا ان تمام کی رہائی ممکن ہو پائے گی تو ان کا جواب تھا کہ طالبان نے پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا ہے۔اگر انہیں رہائی دینا امریکہ کے بس میں نہیں ہے تو امریکہ کس طرح معاہدے میں یہ بات مان رہا ہے؟ پہلی بات۔

'دوسرا یہ کہ آپ نے دیکھا کہ انس حقانی کی رہائی کے متعلق بھی انہوں نے کہا کہ یہ افغان حکومت کر سکتی ہے لیکن بعد میں وہ رہا ہو گئے۔'

'افغانستان میں تقریباً 40 ہزار قیدی ہیں۔ان میں سے تین چوتھائی امریکیوں نے گرفتار کیے ہیں۔ اگر امریکہ کہتا ہے کہ یہ افغان حکومت کا مسئلہ ہے تو گرفتاریوں میں کیوں شامل رہا؟ جب کسی کو کوئی گرفتار کر کے جیل میں ڈالتا ہے تو انہیں آزاد کرنے کا حق بھی وہی رکھتے ہیں۔'

ملا ضعیف سے آخری سوال یہی تھا کہ اگر افغانستان میں قومی حکومت بنتی ہے تو کیا افغان ماضی کی غلطیوں کو دہرائیں گے یا اچھے طریقے سے حکومت چلائیں گے؟

اس پر انہوں نے جواب دیا کہ انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں لیکن عقل مند وہ ہوتے ہیں جو انہیں مانیں اور دہرانے سے گریز کریں۔

'میرے خیال میں طالبان تحریک کے آغاز اور آج میں فرق یہ ہے کہ طالبان کے علم میں تبدیلی آئی ہے۔طالبان کی سفارت کاری اور تجربے میں فرق آیا ہے۔ اب طالبان کا علم، سفارت کاری اور تجربہ بین الاقوامی ہو گیا ہے۔میرے خیال میں یہ بہت مثبت ثابت ہوگا۔'

(☆☆☆)

الحمدللہ ہماری ۲۷ سالہ تاریخ ہمارا آئینہ ہے

ودربھ کا کامیاب ترین ٹور

◆ ممتاز خصوصیات ◆ بے لوث خدمات ◆ منفرد سہولیات

اقراء حج ٹورس

اکولہ

رمضان
عمرہ پیکیج
110000
Mumbai to Mumbai
سفر کے دن ۳۰ سے ۳۲
ممبئی سے ممبئی کیلئے

اب آپکے بجٹ میں
عمرہ کرنے کا
بہترین موقع

خادم
عبدالعظیم فلاحی

رمضان
عمرہ پیکیج
115000
Nagpur to Nagpur
سفر کے دن ۳۰ سے ۳۲
ناگپور سے ناگپور کیلئے

عمرہ پیکیج
60000 ممبئی سے ممبئی کیلئے
65000 ناگپور سے ناگپور کیلئے
سفر کے دن ۱۴ سے ۱۵

جنوری سے مارچ ۲۰۲۰ تک ہر مہینے گروپ کا فائدہ اٹھائیں

حج ۲۰۲۰ کیلئے رابطہ کریں

iqra
HAJ TOURS

اقراء کے نام پر دھوکا دینے والوں سے ہوشیار

Telipura Chowk, Akola-444001 Maharastra. (INDIA)

94218925989 / 9823040038

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No:G/Akl Dn/258/2019-21

Nukush-E-Rah
1st Floor, Opp. Basera Apartment,
Subhash Chowk, Akola. 444001
0724-2434333
8266997613
nukusherah@gmail.com